میراثِ علمی
خانوادہ عمرپور

مقالات مولانا محمد عبدالجبار عمرپوری رحمہ اللہ

البراهين القاطعه

فی رد الانوار الساطعه

(مسالہ مولود)

دار الخلد

البراھین القاطعه

فی ردّ الاَنوار الساطعه

میراثِ علمی خانوادہ عمر پور

البراھین القاطعہ

فی ردّ الانوار الساطعہ

(مسائلہ مولود)

مقالات مولانا محمد عبدالجبار عمر پوری رحمہ اللہ

دار الخلد

دار الخلد

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

یا فتاح

البراہین القاطعہ

فی

ردّ انوار ساطعہ

مصنفہ مبراس السنۃ والتوحید فاس البدعۃ والتقلید مولانا مولوی
محمد عبد الجبار صاحب مصنف کتاب صمصام التوحید دام فیوضہم

حسب فرمایش نراین داس جنگلی مل تاجران کتب دہلی

درمیان سنہ ۱۹۰۵ء

مطبع افتخار دہلی میں منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے چھپا

۱۹۰۵ء میں طبع شدہ نسخے کی تصویر

فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر لیکن سبقت رحمتی علی غضبی نے یہان بھی ساتھ نہ چھوڑا کیونکہ علماء
متبعین سنت کے ذریعہ سے آمین فرائی یا شک نہین کہ جن خالص علماء سے بندگان الٰہی کو ہدایت حق
ہو وہی آیہ رحمت الٰہی ہے ہین جسطرح آنحضرت صلعم رحمۃ للعلمین ہین اسی طرح علماء امت محمدیہ بھی حسب
فحوائے والا ہے العلماء ورثۃ الانبیاء ٹھیک ورد فیضان ایزدی اور ٹھیک نزول رحمت الٰہی کے نمونہ ہین
شرک و بدعت کا دلون سے مٹانا اور بجائے انکے قلوب مین سنت و توحید کا کوٹ کوٹ کر بھر دینا اور شیطانی
مزاحمتون کا دور کر دینا بدون یاوری رحمت الٰہی ممکن نہین۔ علماء جب اپنے فرض منصب کے موافق اور
کتاب و سنت کے موافق احکام خداوندی کی اطلاع و تبلیغ کرتے ہین تو یہی آیہ رحمت الٰہی ہے اور جب وہ علماء محض
نفسانیت۔ محض خود غرضی طمع نفسی سے بجائے ہدایت کے لوگون کو ضلالت مین ڈالتے ہین تو یہی غضب الٰہی ہے ۔ رہا ہی
گمراہ صرف اپنے کو ہلاکت مین ڈالیگا اور عالم گمراہ ایک عالم کو تباہ کریگا۔ علماء کا گمراہ ہو کر کتاب و سنت کو چھوڑ
دینا اور مصداق یحرفون الکلم عن مواضعہ جھوٹی تاویلون اور لچر و پوچ دلایل سے اپنی خود غرضی اور طمع
دنیوی کا شکم پر کرنا صرف خود انکے لیے بلکہ مخلوق خدا کے لیے بہت خوفناک ہے کتاب انوار ساطعہ نے اثبات
مولود و فاتحہ مولوی عبد السمیع بیدل نے تالیف کی اور بدعت و شرک کی اشاعت کو بہار لگا دیا۔ اگر خدا تھوڑی
سی بھی عقل دے تو مجلس مولود بہت کذائی گھڑون بدہنون پر فاتحہ پڑھکر انکو مسجد مین چڑھاتا۔ پھول یعنی سوم کرنا
دہم بستم چہلم کرنا وغیرہ مشارع ہی نہین بلکہ ہنود کی رسم ہے کیونکہ وہ بھی پہلول دسہرہ وغیرہ کرتے ہین اور کنہیا کے جنم کے
روز تو سہاکمک بناتے ہی ہین۔ یہ ایسی بدعتین و حماقتین اور کھلی گمراہیان ہین جنکے نام سے ہماری بیچے مذہب اسلام کو عار
ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ بدعت پرست علماء کو شرم نہین آتی۔ مذکورہ بالا امر اسم قبیحہ و شرک آمیز
کے وجود پر از روی اسلام دلایل کا قایم کرنا مردے کی ہڈیون مین جان ڈالنے کا ارادہ کرنا ہے
علے ہذا جو شے خود ہی مردود و مطرود ہے اس کا مردود کرنا ہی ضروری نہین مگر چونکہ اس کتاب نے
بدعت پرستون پر بہت کچھ اثر ڈالا لہذا ایسے موقع پر مردودیت مردود کا اثبات ضروری سمجھا
گیا۔ آفرین ہے مولنا مولوی عبد الجبار صاحب مؤلف کتاب صمصام التوحید پر کہ صرف ایک سرسری
نظر مین اس کذب افترا کے شر انگیز طوفان اور بدعت و شرک کے انبار کو یون مٹا دیا جیسی ٹھنڈی
ٹھنڈی ہوا کے جھوکے باد سموم کا مٹا دیتے ہین۔ کتاب کیا ہے کوزہ مین دریا ہے اس مختصر سے
دو جز کے رسالہ مین وہ مسکت اور قطعی دلایل ہین کہ بدعتیون کے تمام اعتراضات اور
دلایل ہباءً منثورا ہو گئے ہین۔ خدا تعالےٰ مولنا ممدوح کے دل و دماغ مین برکت دے اور کتاب
براہین قاطعہ کو مقبول فرما کر بدعتیون کو راہ راست پر لانے کا اوسکو آلہ بنائے آمین یا رب العالمین

ہر قسم کی کتابیں ہمارے یہان واسطے جنگلی مل تاجر کتب دہلی دریبہ کلان سے بذریعہ ویلیو پی ایبل منگالو۔

1905ء میں طبع شدہ نسخے کی تصویر

حرفِ آغاز

مذکورہ عنوان کے تحت آج سے ایک سو دو سال قبل میرے والد محترم مولانا عبدالغفار حسن رحمانی حفظہ اللہ کے دادا مولانا محمد عبدالجبار نے بتیس صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا تھا، جس پر تاریخ طباعت ۱۹۰۵ء رقم ہے اور طابع و ناشر کی حیثیت سے یہ عبارت درج ذیل ہے:

حسب فرمائش نراین داس جنگلی مل تاجران کتب دہلی
مطبع افتخار دہلی میں منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے چھپا۔

اس کتابچہ میں بدعتیوں کے عقائد پر مشتمل ایک کتاب ''انوار ساطعہ'' کی تردید کی گئی ہے، مضمون کی افادیت کی بنا پر اُسے صراط مستقیم کے صفحات میں بالاقساط شائع کیا جارہا ہے۔ چونکہ مذکورہ رسالہ کی زبان تقریباً ایک صدی قبل کی ہے، اس لیے میں نے حتی الامکان پرانے اسلوب بیان کو آسان پیرایہ میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فارسی اور عربی تراکیب کا ترجمہ حاشیہ میں دے دیا گیا ہے، اور جو احادیث یا اقوال حوالہ کے محتاج تھے اُن کے حوالے بھی درج کردیے گئے ہیں۔ امید ہے مؤلف کا یہ عمل اُن کے اجر وثواب میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

(ڈاکٹر) صہیب حسن

لندن، ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ

اپریل ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ معبود واجب الوجود کے لیے ہیں جو اپنی ذات وصفات میں اکیلا ہے، کوئی شے اس کی مثل نہیں۔ وہ سب سے نرالا ہے، دونوں جہان میں اس کا بول بالا ہے، ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر شے کا رکھوالا ہے، ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے، اپنے بندوں کی دعا ، ندا اور فریاد کو سننے والا ہے۔ جو کوئی ان صفات میں غیر کو اس کا شریک سمجھے وہ مردود، شیطان والا اور دوزخ کا نوالا ہے۔

اور درود نامحدود ذات جامع الکمالات سرور کائنات ﷺ پر جو سیدھی راہ بتانے والا اور اندھیرے میں اُجالا ہے۔ قیامت کو شفاعت کرنے والا اور شربت حوضِ کوثر دینے والا ہے۔ جو کوئی اس کے قدم بقدم چلا وہی منزل مقصود کو پہنچنے والا ہے۔ اور جس نے اس کی راہ نہ پکڑی اس کا دو جگ میں منہ کالا ہے۔ فصلی اللّٰه علیه و أصحابه أجمعین .

اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (الذاریات : ٥٦)

”میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لیے۔“

اور اسی مقصد کے لیے انہیں عقل و ہوش عطا فرمایا۔ جو شخص اس کوچہ سے باہر ہے وہ انسانیت سے خارج ہے اور عباداتِ الٰہی سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران : ٣١)

”کہہ دیجئے اے محمد (ﷺ)! (اے مسلمانو!) اگر تم کو اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے

تو میری پیروی کرو اور میرے قدم بقدم چلو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

اے امت محمد یہ! یہ پنبۂ غفلت کو گوش ہوش سے نکالو ❶ اور خواب خرگوش سے بیدار ہو جاؤ کجکول ❷ بدعت کو پھینک کر خوانِ نعمت پر مہمان بن جاؤ۔

؎ زابراز کجکول اہل رائے نتواں لقمہ زد ۔۔۔ بر در خوانِ رسول اللہ مہمانِ بنم ما

دین کے باغ سے بدعت کے جھاڑ جھنکار کو اُکھاڑ پھینکو۔ دانۂ سنت کو چُن لو، ہماری حدیث کو دام میں لاؤ۔ قیاس کی بھول بھلیوں میں گم نہ ہو جاؤ۔ طریقۂ نبوی کو اپنا شعار بناؤ، رسم ورواج کی بد چہرہ بڑھیا سے دل نہ لگاؤ۔

بقولِ مصطفیٰ:

؎ زائیر رزائیٔ دیگران ماندم ۔۔۔ شہود یار مانع گردد از اُغیار عاشق را

سنت کے چمکتے دمکتے آفتاب سے نور حاصل کرو، بدعت کی تاریک رات کے مسافر نہ بنو۔

؎ چگو نہ ظلمت بدعت زندہ رہ زابر ۔۔۔ کہ طالع است شب و روز مہر سنت ما

عطر حدیث سے دماغ معطر کرو، اور رائے کے سنڈاس سے خانۂ دین کو مت سڑاؤ۔

؎ اگر برکہ پُر کنند از گلاب ۔۔۔ سگے وردے افتد کند منجلاب

بدعت بڑا آزار ہے، جو کوئی اس کا بیمار ہے اس کا انجام دارالبوار ہے، اتباع سنت نعمت عظمیٰ ہے جو آستان کا رہین ہے وہ آخرت میں اعلیٰ درجات کا مکین ہے، اہل بدعت طرح طرح کی چالیں چلتے ہیں، خواہشات نفس کے لیے احادیث بناتے ہیں، رسول اللہ ﷺ پر بہتان لگاتے ہیں اور متبعین سنت کو لا مذہب وغیر مقلد بتاتے ہیں۔

؎ از پئے مطلب خود وضع احادیث کنند ۔۔۔ زاایراین مبتدعان مکروفنی ساختہ اند

لیکن جماعت اہل حدیث دل و جان کے ساتھ سنت کے احیاء اور بدعت کے ازالہ میں مصروف رہتے ہیں، ان کے شوروغوغا کی طرف بالکل خیال نہیں کرتے۔

---

❶ ہوش کے کان سے غفلت کی روئی کو نکال باہر کرو۔

❷ بھیک کا پیالہ۔

ع عرفی تو میندیش از غوغائی رقیبان — آوازِ سگاں کم نہ کنند رزقِ گدارا [1]

ع سرور خاطر احباب زائیراز رائ اُست — من و تفرج باغ محدثان تنہا

اس زمانہ میں بدعت کی بہت کثرت ہے، عوام کو سنت نبوی سے وحشت ونفرت ہے، وہ بے چارے کیا کریں جب پیر مغان ان کو بہکا دیں۔

ع اذا کان الغراب دلیل قوم — سیہدیھم طریق الھالکین [2]

بدعتوں کے ہجوم میں آج کل بدعت مولود کا بڑا چرچا ہے اور جہلاء کی رگ رگ میں اس کی محبت بسی ہوئی ہے۔ چنانچہ ان دنوں ایک کتابچہ ''انوار ساطعہ'' [3] نکلا ہے جو درحقیقت اوہام فاسدہ ہے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

یہ ایک بدعتی کی تحریر ہے، دھوکہ دہی کا نمونہ ہے، بدعت کے لیے میدان فراخ کردیا ہے۔ قرون ثلاثہ [4] کی قید کو بالکل اُڑا دیا ہے۔ جب اس عاجز نے رسالۂ مذکور دیکھا تو بہت افسوس ہوا کہ سنت کے پھولوں کو مرجھانے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے اور بدعت کے کانٹوں کی باڑ لگائی جارہی ہے۔

ع پری تہفتہ رُخ و دیو درکرشمہ و ناز — بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی اُست

اگرچہ عاجز کو درس وتدریس میں مشغولیت کی بنا پر اس قدر تحریر کی مہلت نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کی خاطر اور بدعتیوں کی چال کو ناکام بنانے کے لیے مختصر طور پر جواباً یہ تحریر کرتا ہوں۔

اولاً بدعت کی تحقیق کی جاتی ہے اور اس پر شواہد ونظائر کلام فقہاء ومحدثین سے پیش کیے

---

1. عرفی! تو رقیبوں کے شوروغوغا کی پروا نہ کر کہ کتوں کا بھونکنا فقیر کے رزق کو کم نہیں کرتا۔
2. اگر کوّا کسی قوم کا راہنما بن جائے تو وہ انہیں ہلاکت کا راستہ ہی دکھائے گا۔
3. خوب چمکتی روشنیاں۔
4. قرون ثلاثہ۔ آنحضور، صحابہ اور تابعین کا زمانہ۔

جاتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ بدعت کی تفسیر میں علماء کی مختلف عبارتیں وارد ہوئی ہیں، اُن کا بیان کرنا موجب طوالت ہے لیکن حدیث کی رو سے اور بر بنائے تحقیق یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ بدعت اُس امر کو کہا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو اور قرونِ ثلاثہ میں بلانکیر اس پر عمل درآمد نہ ہوا ہو۔

اب یہاں پر چند احادیث جو کہ اس مضمون پر شاہد ہیں ذکر کرتا ہوں اور ان شاء اللہ انصاف پسند طبائع کے لیے اُن کا بیان قابل اطمینان ہوگا۔ ہاں ہٹ دھرم حضرات کے لیے ضخیم سے ضخیم کتابیں بھی ناکافی ہوں گی۔

((عن عرباض بن سارية قال صلى رسول الله ﷺ ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون وجلت منها القلوب فقال رجل يا رسول الله كان هذه موعظة مودع فاوصنا فقال أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان كان عبدا حبشيا فانه من يعيش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة .)) [1]

''حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی، پھر ہماری طرف رُخ کیا اور ہمیں ایسی بلیغ نصیحت کی کہ آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور دل لرز اُٹھے، ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رخصت کے وقت کی نصیحت ہے تو ہمیں

[1] أحمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ۔

وصیت بھی فرما دیں! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے امیر کی سمع و اطاعت کرتے رہو، چاہے وہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، تم میں سے جو میرے بعد رہے گا وہ بہت کچھ اختلاف ہوتا دیکھے گا، ایسے وقت میں میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ راست باز خلفاء کی سنت کو پکڑے رہو، بلکہ دانتوں سے مضبوط تھامے رہو اور نئی نئی باتوں سے بچو، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

((عن عائشة رضي الله عنها قال رسول الله ﷺ: من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ)) [1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ہمارے اس کام میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص نبی کریم ﷺ کی ازواج کے پاس آئے اور آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جب اُنہیں آپ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اُسے کمتر سمجھا اور یہ کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں کہ اُن کے اگلے اور پچھلے گناہ تو اللہ نے بخش دیے ہیں۔ ان میں سے ایک نے عہد کیا کہ میں رات بھر نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے عہد کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور جب آپ کو اس بات چیت کا علم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو بلا کر کہا: کیا تم وہی لوگ ہو جنہوں نے ایسا اور ایسا کہا تھا، لیکن سنو! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تم سب میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، پھر بھی میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں تو جو شخص میری سنت سے بیزار ہوا وہ مجھ سے نہیں۔" (بخاری، مسلم)

---

[1] بخاری، مسلم۔

اس موضوع پر احادیث کثرت سے ہیں لیکن یہاں پر ان تین احادیث ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

احادیث مذکورہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے:

ا: وہ چیز جو اپنی ذات سے نئی نکلی ہوئی ہو، جیسا کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ب: شریعت کے کسی کام میں کمی یا زیادتی کی گئی ہو یا کوئی نئی صورت پیدا کی گئی ہو۔

دوم: جب کسی مسئلہ میں اختلاف واقع ہو تو اس کے لیے کسوٹی سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ جو چیز سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے ثابت ہو وہ حق ہے اور جو نہ ثابت ہو وہ باطل ہے۔

محفل میلاد کے منعقد کرنے میں اہل بدعت اور اہل سنت کا اختلاف ہے، مبتدعین اس کو موجب خیر و برکت اور باعث حصول ثواب سمجھتے ہیں اور اہل حدیث اُسے "شر الأمور محدثاتها" میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن جب اسے متذکرہ بالا کسوٹی پر پرکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ فعل بالکل باطل ہے اور اس پر ثواب کی امید رکھنا بالکل غلط ہے، کیونکہ سلف صالحین سنت نبوی کے عاشق زار تھے۔ آپ کے اوپر جان نثار تھے، کیا وجہ تھی کہ انہوں نے اس ثواب کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کی حالانکہ اس کام کے کرنے کے اسباب بھی موجود تھے اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی، تو پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ فعل باعث خیر و برکت ہے؟ سنت نبویؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کو چھوڑ کر دین میں کسی نئی رسم کا ایجاد کرنا اور پھر اس پر ثواب کی امید رکھنا کفرانِ نعمت نہیں تو اور کیا ہے؟ بلکہ ایسا اعتقاد رکھنا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء اور بہتان ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ جو فعل آنحضور ﷺ سے ثابت ہو جاتا اس کو دل و جان سے قبول کر لیتے اور جو ثابت نہ ہوتا، اُسے چھوڑ دیتے تھے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز کو بدعت کہتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ ثابت نہ تھی حالانکہ یہ عمل قبیح نہ تھا، اور اسے مطلق ذکر و عبادت میں شامل کیا جا سکتا تھا۔

تقی الدین ابن دقیق العید، احکام الأثر میں لکھتے ہیں:

"الا تری ان ابن عمر قال فی صلوٰة الضحی أنها بدعة لأنها لم یثبت عنده فیها دلیل ولم یر إدراجها تحت عمومات الصلاة لتخصیصها بالوقت المخصوص وكذالك قال فی القنوت الذی كان یفعله الناس فی عصره إنه بدعة ولم یر ادراجة تحت عمومات الدعاء وكذالك ما روی الترمذی من قول عبد الله بن مغفل لابنه فی الجهر بالبسملة: إیاك والحدث، ولم یر إدراجة تحت دلیل عام وكذالك ما جاء عن ابن مسعود فیما اخرجه الطبرانی بسنده عن قیس بن حازم قال ذكر لإبن مسعود قاصٌّ یجلس باللیل ویقول للناس قولوا كذا وكذا فقال أو رایتموه فاخبرونی، فاخبروه فجاء عبد الله متقنّعا فقال من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فأنا عبدالله بن مسعود، تعلمون انكم لأهدی من محمد وأصحابه، او انكم [لمتعلتون بذنب ضلالة، وفی روایة: لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فضلتم أصحاب] محمد ﷺ علمًا."

فهٰذا ابن مسعود أنكر هذا الفعل مع إمكان إدراجة تحت عموم فضیلة الذكر."❶

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز کو بدعت کہتے تھے، اس لیے کہ ان کے نزدیک کسی دلیل سے ثابت نہ ہوئی تھی اور انہوں نے اسے مطلق نماز میں شامل نہ کیا کیونکہ یہ ایک خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایسے ہی

---

❶ ابن دقیق العید: احکام الأحکام۔ باب فضل الجماعة و وجوبها۔ ص ۲۱۲، مطبعة السنة المحمدیه، القاهرة ۱۳۷٤ھ۔

قنوت کو بدعت کہتے تھے کہ جسے لوگ اُن کے زمانہ میں کیا کرتے تھے اور وہ اسے مطلق دعا میں شامل نہ کرتے تھے۔ اور ایسے ہی جامع ترمذی میں مروی ہے کہ عبد اللہ بن مغفل نے اپنے فرزند کو نماز میں بسم اللہ پکار کر پڑھتے ہوئے دیکھا تو اُن کو منع کیا اور کہا کہ اے بیٹے! دین میں نیا کام مت نکال۔'' اور انہوں نے اس فعل کو کسی عام دلیل میں شامل نہ کیا۔ ایسے ہی طبرانی نے قیس بن حازم سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کے روبرو ایک قصہ گو کا ذکر آیا کہ وہ رات کو بیٹھ کر لوگوں کو طرح طرح کی دعائیں اور وظیفے بتلاتا ہے۔ ابن مسعود نے کہا کہ جب تم اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھو تو مجھے خبر کردو۔ چنانچہ ایک دن اُن کو جب اس کے آنے کی خبر ملی تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اپنے اوپر چادر لپیٹ کر آئے اور فرمانے لگے کہ جس نے مجھے پہچانا تو وہ مجھے بخوبی جانتا ہے اور جس نے نہیں پہچانا تو وہ جان لے کہ میں عبد اللہ بن مسعود ہوں! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اللہ کے رسول اور اُن کے صحابہؓ سے زیادہ راہِ راست پر ہو، بلکہ تم تو گمراہی میں پڑے ہوئے ہو، تم نے ایک تاریک بدعت کو جاری کردیا ہے، کیا تم محمد ﷺ کے صحابہؓ سے بھی علم میں بڑھ گئے ہو؟'' اب خیال کرنے کی بات ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے اس فعل پر انکار کیا حالانکہ اسے عام ذکر الٰہی میں شامل کرنا ممکن تھا۔''

ایسے ہی نماز میں تلاوت کے لیے کسی ایک سورت کو خاص کرلینا فقہائے احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"یکره ان یوقت شیئ من القرآن بشیئ من الصلاة ." [1]

''مکروہ ہے کہ قرآن کی کوئی سورت کسی نماز کے لیے خاص کردی جائے۔''

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

[1] هدايه

"یکره للإنسان أن یختص لنفسه مکانا یصلی فیه ."❶

''انسان کے لیے یہ بات مکروہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ اپنے لیے خاص کرلے۔''

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قال رسول اللہ ﷺ لا تختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولا تخصوا یوم الجمعة بصیام من بین الأیام إلا ان یکون فی صوم یصومه احدکم .)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ خاص کرو جمعہ کی رات کو اور راتوں میں سے قیام کے لیے اور نہ خاص کرو جمعہ کے دن کو روزے کے لیے اور دنوں میں سے، اِلا یہ کہ وہ ان دنوں میں سے ہو جس میں وہ عام طور پر روزہ رکھا کرتا ہو۔''

امام نووی شرح میں لکھتے ہیں:

"وفی الحدیث النهی الصریح عن تخصیص لیلة الجمعة بصلاة من بین اللیالی ویومها بصوم کما تقدم وهذا متفق علی کراهیته واحتج به العلماء علی کراهة هذه الصلاة المبتدعة التی تسمی الرغائب قاتل الله واضعها ومخترعها فإنها بدعة منکرة من البدع التی هی ضلالة وجهالة وفیها منکرات ظاهرة وقد صنف جماعة من الائمة مصنفات نفیسة فی تقبیحها وتضلیل مصلیها ومبتدعها ودلائل قبحها وبطلانها وتضلل فاعلها اکثر من أن تحصر والله اعلم ."❸

---

❶ فتاویٰ عالمگیری: اردو ترجمہ جلد اوّل ص ۱۲۱، مترجم سیّد امیر علی، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۹۔

❷ صحیح مسلم، ۳: ۱۵۴، باب کراهیة صوم یوم الجمعة، مسند أحمد ۶: ۴۴۴، مسند ابی الدرداء ۲۰.

❸ النووی: ۲۰۱۸.

"اس حدیث میں صریح ممانعت ہے کہ جمعہ کی رات کو خاص طور پر قیام کیا جائے یا جمعہ کے دن خاص طور پر روزہ رکھا جائے، اس امر کے مکروہ ہونے پر اتفاق ہے اور اسی دلیل کی بنا پر علماء نے ایک نئی ایجاد کردہ نماز جسے "رغائب" کہا جاتا ہے کو بدعت قرار دیا ہے۔ اللہ اس کے بنانے والے اور ایجاد کرنے والے پر لعنت کرے، کیونکہ یہ بدعت اُن منکر بدعتوں میں سے ہے جو کہ گمراہی اور جہالت ہیں۔ علماء میں سے کئی حضرات نے ایسی قیمتی کتابیں لکھی ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ نماز ایجاد کرنے والا اور پڑھنے والا دونوں گمراہ ہیں، اس چیز کے بدعت، باطل اور قبیح ہونے اور اس کے کرنے والے کے گمراہ ہونے پر اتنے دلائل ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔" واللہ اعلم

علامہ شامی ردّ المحتار میں لکھتے ہیں:

"تنبيه في الإقتصار على ما ذكر من الوارد إشارة إلى أنه لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتار الآن وقد صرح ابن حجر في فتاواه بأنه بدعة وقال من ظن انه سنة قياسا على ندبها للمولود إلحاقا بخاتمة الامر بابتدائه فلم يصب. وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلاة مع أن المصاحفة سنة وما ذاك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع فالمواظبة عليها فيه توهم العوامّ بإنها سنة فيه، ولذا منعوا عن الإجتماع لصلاة الرغائب التي احدثها بعض المتعبدّين لأنها لم تؤثر على هذه الكيفية في تلك الليالي المخصوصة وإن كانت الصلاة هي خير موضوع." [1]

[1] شامي: ردّ المحتار.

''جو کچھ آنحضور ﷺ سے وارد ہے اُس پر اقتصار کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردے کو قبر میں داخل کرنے کے وقت اذان کہنا مسنون نہیں ہے، جیسا کہ اس زمانے میں لوگوں کی عادت ہے۔ اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں صراحت سے لکھا ہے کہ یہ بدعت ہے اور جس کسی نے اُسے نومولود کے کان میں اذان دینے پر قیاس کرتے ہوئے سنت کہا ہے اور انسان کے خاتمہ کو ابتدا سے مربوط کرنا چاہا ہے تو اس نے بالکل غلط استدلال کیا ہے، ہمارے بعض علماء نے بصراحت لکھا ہے کہ آج کل نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جو رواج چل نکلا ہے وہ مکروہ ہے، حالانکہ مطلق مصافحہ کرنا سنت ہے اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ خاص اس موقع پر مصافحہ کرنا ثابت نہیں، اس لیے اگر اس فعل کو باقاعدگی سے کیا جائے تو عام لوگ اس وہم کا شکار ہو سکتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور ایسے ہی علماء نے صلاۃ الرغائب ادا کرنے کے لیے جمع ہونے سے منع کیا ہے کہ یہ نماز بعض صوفیہ کی خودساختہ ایجاد ہے۔ اور خاص خاص راتوں میں مخصوص کیفیت کے ساتھ اس کی ادائیگی سرے سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ مطلق نماز خیر ہی خیر ہے۔''

ابوعبداللہ بن الحاج اپنی کتاب المدخل میں لکھتے ہیں:

"وقد حدثت صلاة الرغائب بعد اربعمائة وثمانين من الحجرة وقد صنف العلماء كتبا في إنكارها وذمها وتسفيه فاعلها ولا تغترَّ بكثرة الفاعلين لها في كثير من الامصار ." [1]

''صلاۃ الرغائب کا آغاز چار سو اسّی ہجری میں ہوا۔ علماء نے ایسی کتب تصنیف کی ہیں جس میں اس نماز کو قابل مذموم اور منکر کہا گیا ہے اور اس کے کرنے والے کو احمق قرار دیا ہے، اس لیے اکثر شہروں میں اس کے کرنے والوں کی کثرت کو دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔''

---

[1] ابوعبد الله بن الحاج: المدخل.

فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے کو عز الدین عبد السلام نے بدعت مباح لکھا ہے۔ اور ملا علی قاری اپنی کتاب مرقاۃ میں اُسی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ یہ عمل شوافع اور احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔ ❶

عز الدین کے بعد امام نووی اس کی اباحت کے قائل ہوئے ہیں، لیکن ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اس کا ردّ کیا ہے۔ اسی طرح صاحب درمختار نے نووی ہی کی پیروی کی ہے، لیکن شامی نے ردّ المختار میں اس کی تردید کی ہے، چنانچہ درالمختار کی عبارت درج کرکے نووی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لکن قد يقال إن المُواظبة عليها بعد الصلاة خاصة قد يودی الجهلة إلى اعتقاد سنتها فی خصوص هذا الموضع وأن لها خصوصية زائدة على غيرها مع أن ظاهر كلامهم أنه لم يفعلها احد من السلف فی هذه المواضع وكذا قالوا بسنية قراءة السور الثلاث فی الوتر مع الترك أحياناً لئلا يعتقد وجوبها.

ونقل فی تبيين المحارم عن انه تكره المصافحة بعد اداء الصلاة بكل حال لأن الصحابة ما صافحوا بعد اداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض.

ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعة مكروهة لا أصل لها فی الشرع وانّه ينبه صاحبها اولا ويعذر ثانيا.

ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية فی المدخل انها من البدع وموضع المصافحة الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا لأدبار الصلوٰت فحيث وضعها الشارع لا يضعها فينهى عن ذالك ويزجر فاعله لما أتى به خلاف السنة، ثم

❶ ملا علی قاری: مرقاۃ.

أطال في ذالك فراجعه .“❶

”اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نماز کے بعد پابندی سے مصافحہ کرنا، جہلاء کو یہ باور کراسکتا ہے کہ اس موقع پر یہ فعل سنت ہے۔ اور یہ کہ دوسرے مواقع کی بہ نسبت اس وقت مصافحہ کرنا زائد خصوصیت کا حامل ہے۔ حالانکہ جو بات بظاہر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان مواقع پر سلف میں سے کسی نے اسے نہیں کیا ہے۔

اور اسی طرح نماز وتر میں تین مخصوص سورتوں کی تلاوت کو سنت قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے شرط کے ساتھ کہ کبھی کبھی اس سنت کو چھوڑ بھی دیا جائے تا کہ اسے فرض نہ سمجھا جائے۔

تبیین المحارم میں سے نقل کیا گیا ہے کہ نماز کے بعد بہر حال مصافحہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے اور یہ فعل روافض کی سنت ہے۔

پھر شوافع میں سے ابن حجر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ ایک ناپسندیدہ بدعت ہے، جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، اس کے کرنے والے کو پہلے متنبہ کیا جائے اور پھر اُسے سزا دی جائے۔

پھر لکھتے ہیں: مالکیہ میں سے ابن الحاج ”المدخل“ میں لکھتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور شریعت میں مصافحہ کرنا اُس وقت مشروع ہے جب کہ ایک مسلمان اپنے بھائی سے ملاقات کرتا ہے نہ کہ ہر نماز کے بعد، اور چونکہ ایسا کرنے والا شریعت کی بتائی ہوئی جگہ پر یہ کام نہیں کر رہا ہے، اس لیے اُسے روکا جانا چاہیے اور ڈانٹا جانا چاہیے کیونکہ اس نے خلافِ سنت کام کیا ہے۔“

صاحب کتاب نے اس موضوع پر طویل بحث کی ہے جو اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے اور بحر الرائق میں مذکور ہے:

---

❶ شامي : ردّ المحتار.

”لأن ذكر الله إذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت او شيئ دون شيئ لم يكن مشروعا ما لم يرد الشرع به .“ ❶

”اللہ کے ذکر کو جب کبھی وقت یا ہیئت کے ساتھ مخصوص کیا جائے گا تو مشروع نہ ہوگا الا یہ کہ شرع خود اس کا حکم دے۔“

فقہاء اور محدثین نے اس بات میں بہت کچھ تحریر کیا ہے جو سب کی سب جمع کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔

چنانچہ ان کی تحریروں کے مطابق محفل میلاد کا بدعت سیئہ ہونا اتنا واضح ہے جتنا کہ ”نصف النہار کا سورج“ اب ان شاء اللہ انصاف پسند حضرات کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی۔ ہاں کج فہم اور سخن پرور حضرات کی زبان کون روک سکتا ہے۔

انوار ساطعہ کی تردید میں اتنی تحریر کافی تھی لیکن مزید وضاحت کے لیے مؤلف کے چند اقوال کی تردید کی جاتی ہے، تمام اقوال پر بحث کرنا فضول ہے۔ ❷

❀❀❀❀

اولاً: بدعت کے متعلق جو مؤلف نے خانہ فرسائی کی ہے اس کی تردید کی جاتی ہے۔

قولہ: ...... لامذہبیوں اور غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے فعل کو بھی بدعت کہتے ہیں۔

أقول: ...... مؤلف رسالہ، منکرین مولد کو تو متعصب قرار دیتا ہے، وہ اس لیے کہ وہ محفل میلاد کے بارے میں سخت کلمات لکھتے ہیں، اپنے تعجب کی خبر نہیں کہ اہل حدیث کو لامذہب و غیر مقلد بتاتا ہے، کیا انصاف اسی کا نام ہے؟ اور پھر کج فہمی سے اُن پر یہ افتراء کیا جاتا ہے کہ وہ صحابہ کے فعل کو ناجائز کہتے ہیں۔ حاشا وکلا، اہل حدیث کا یہ مسلک نہیں ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متبوع مستقل ❸ نہیں ہیں۔ یہ صفت رسول اللہ ﷺ کے

---

❶ بحر الرائق. ❷ ۲۵ بحر الرائق.

❸ یعنی ان کی پیروی آنحضور ﷺ کی اتباع کی بنا پر ہے نہ کہ مستقل طور پر۔

ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ معصوم تھے، دین میں خطا اور نسیان سے محفوظ تھے، بخلاف صحابہؓ کے اُن سے مسائل دینیہ میں خطا اور لغزش واقع ہو جاتی تھی اور باہم وہ ایک دوسرے کی خطا کو بتا بھی دیا کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ حضرات ہر مسئلہ میں شارع کے حکم کے متلاشی رہتے تھے۔ جب حدیث پاتے تھے تو اس کے موافق فتویٰ دیتے تھے اور لوگوں کو آگاہ کر دیتے تھے کہ یہ مسئلہ ہم نے اپنی تحقیق کے مطابق بیان کیا ہے جس کو اس سے بہتر معلوم ہو وہ اس پر عمل کرے۔

اسی سبب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کے جمع کرنے پر اولاً انکار کیا اور فرمایا:

"کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول الله ﷺ."

''یعنی جو کام کہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اُس کو تم کیوں کرتے ہو۔''

تو جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا تو ہم کو بطریق اولیٰ کرنا چاہیے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کے افعال ناجائز ہیں، جیسا کہ مؤلف نے سمجھا بلکہ اُن کے نزدیک صحابہ کے اقوال و افعال اس وقت قابل حجت ہیں اور قابل عمل بھی جبکہ حدیث موجود نہ ہو، بہرحال بدعت سے ان کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

قوله:...... یہ فرقہ مولوی اسماعیل سے بھی تین گنا اوپر چڑھ گیا۔ وہ تو تبع تابعین تک کو مانتے تھے۔

اقول:...... مولانا محمد اسماعیل صاحب ''ایضاح الحق'' میں جو کہ خاص بدعت کی تحقیق کے لیے تالیف کی گئی ہے فرماتے ہیں:

''ومراد از زمانِ سابق در ما نحن فیہ زمان برکت نشان جناب سید المرسلین وزمان خلفاء راشدین وصحابہ معظمین وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین است، پس محدث ہمان چیز است کہ دران ازمنہ متبرکہ نہ خودش بوجود آمدہ باشد ونہ نظیر آں۔''

''زمانِ سابق سے مراد کہ ہم جس میں نہیں ہیں وہ برکت کی نشانیوں والا زمانہ جناب سیّد المرسلین کا اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا زمانہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین

ہی کا زمانہ ہے۔ اس لیے محدث (بدعت) وہی چیز ہے جو ان متبرک زمانوں میں نہ ہی خود وجود میں آئی ہو، نہ اُس کی کوئی مثال ہو۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ تبع تابعین اُن کے نزدیک اس باب میں معتبر نہیں ہے۔

قوله:...... واضح ہوا کہ متقدمین اور متاخرین میں کسی نے سنت کی یہ تعریف نہیں لکھی کہ سنت وہ شے ہے جو قرون ثلاثہ میں پائی جائے۔

اقول:...... اگر آنکھیں بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے۔ اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا۔

کشف بزدوی میں مرقوم ہے:

"البدعة الأمر المحدث في الدين الذي لم تكن عليه الصحابة والتابعون."

"بدعت دین میں اُس نئی بات کو کہا جاتا ہے جس پر صحابہ اور تابعین کا عمل نہ ہو۔"

اور شرح مقاصد میں مذکور ہے:

"إن البدعة المذمومة هو المحدث في الدين من غير أن يكون في عهد الصحابة والتابعين ولا دلّ عليه الدليل الشرعي."

"قابل مذمت بدعت دین میں اُس نئی بات کو کہا جاتا ہے کہ جو صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی اُس پر کوئی شرعی دلیل ہو۔"

اور شہاب الدین احمد آفندی بن علی الرومی، مجالس الابرار میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان البدعة لها معنيان أحدهما لغوي عامّ وهو المحدث مطلقاً سواءً كان من العادات أو العبادات والثاني شرعي خاصّ وهو الزيادة والنقصان بعد الصحابة بغير إذنٍ من الشارع

لا قولًا ولا فعلاً، لا صريحاً ولا إشارةً.“

”جان لو کہ بدعت کے دو معنی ہیں، ایک لغت عام کے اعتبار سے اور یہ کہ کوئی نئی شے نکالی جائے، خواہ وہ عادات میں سے ہو یا عبادات میں سے اور دوسری شرعی خاص کہ صحابہ کے بعد دین میں زیادتی یا کمی کی جائے اور اس پر شارع کی طرف سے اِذن نہ ہو، نہ ہی قولاً نہ فعلاً، نہ صراحت کے ساتھ اور نہ ہی اشارتاً۔“

اور آفندی اپنی کتاب ”ردّ البدعۃ“ میں لکھتے ہیں:

”فی شرعة الإسلام المراد من هذه السنة التي يجب التمسك بها ما كان عليه القرون المشهود لهم بالخير والصلاح والرشاد وهم الخلفاء الراشدون ومن عاصر سيد الخلق ثم الذين بعدهم وقد كانت الصحابة ينكرون أشد الإنكار على من احدث أمر او ابتدع مالم يعهدوه فی عهد النبوة كثر ذالك أو صغر، كان فی المعاملة أو العبادة أو الذكر.“

”مراد اس سنت سے جس پر عمل کرنا واجب ہے یہ ہے کہ قرون خیر میں پائی جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت انکار کرتے تھے اُس شخص پر جو کوئی نیا کام نکالتا اور جو چیز زمانۂ نبوت میں نہ تھی اُسے پیدا کرتا، چاہے وہ چھوٹی بات ہوتی یا بڑی، معاملات سے تعلق رکھتی یا عبادات سے اور یا ذکر سے۔“

اور طریقۂ محمدیہ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے اور محققین کی اس باب میں بہت سی تحریرات ہیں اور جو حوالے پہلے نقل کیے گئے ہیں اُن سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

قولہ:...... اور فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ معنی اپنی بعض تصانیف میں لکھے ہیں۔

أقول:...... شاہ ولی اللہ صاحب ”ازالۃ الخفاء“ میں اس طرح فرماتے ہیں:

”ومـمّا سيدل به على خلافتهم من حديث القرون الثلاثة فقد

اخرج أحمد، عن ابراهيم عن عبيدة السلمانى عن عبد الله عن النبى ﷺ انه قال خيركم قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يخلف قوم تسبق شهاداتهم ايمانهم وايمانهم شهاداتهم." [1]

"خلفاء راشدین کی خلافت پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جسے امام احمد بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر اُن لوگوں کا جو اس کے بعد آئیں گے، پھر اُن کا جو اُس کے بعد آئیں گے، پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ اُن کی قسمیں، اُن کی گواہی سے سبقت لے جائیں گی اور اُن کی گواہیاں اُن کی قسموں سے سبقت لے جائیں گی۔" [2]

شاہ ولی اللہ اس کے بعد رقم طراز ہیں:

"وبناء ایں استدلال بر توجیہ صحیح اُست کہ اکثر اُحادیث شاہد انست قرن اُول از زمان ہجرت آں حضرتؐ تا زمانِ وفات وے، قرن ثانی از ابتداء خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق، وقرن ثالث قرن حضرت عثمان اُست و ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال اُست۔"

"اور اس استدلال کی بنیاد قرون ثلاثہ کی صحیح توجیہ پر ہے کہ جس پر احادیث شاہد ہیں اور وہ یہ کہ قرنِ اول آنحضور ﷺ کی ہجرت سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک ہے اور قرن ثانی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز سے لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات تک ہے اور قرن ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے، ان میں سے ہر قرن کی مدت بارہ سال کے قریب ہے۔"

---

[1] مسند أحمد ١ : ٤٣٨.

[2] یعنی گواہی پر بلائے جانے سے قبل ہی قسمیں اٹھائیں گے یا قسم اٹھوانے سے پہلے ہی گواہی دے ڈالیں گے۔

قولہ:...... اس حدیث کے حرفوں کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جو بات یہ تین قرون والے نکالیں وہ سنت ہے۔

اقول:...... سنت کے لیے دو امر ہونے چاہئیں:

اوّل: قرون ثلاثہ میں مسلمانوں کے درمیان مروّج ہو۔

دوم: اس پر ردّ و انکار نہ پایا جاتا ہو۔

پہلی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی نے اُس زمانہ میں بطریق ندرت [1] عمل کیا ہو لیکن اُس کا رواج نہ ہوا ہو اور نہ ہی (عام لوگوں کو) اس کا علم ہوا ہو تو وہ سنت میں داخل نہ ہوگا اور قید دوم کا یہ فائدہ ہے کہ جس فعل پر ردّ و انکار پایا گیا ہے وہ بدعت میں شامل ہوگا۔ محدثین میں سے یہ کوئی نہیں کہتا کہ صرف قرون ثلاثہ میں پایا جانا سنت کے لیے کافی ہے۔

اب وضاحت کی جاتی ہے کہ حدیث مذکور سے یہ معنی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب قرون ثلاثہ میں خیر غالب تھا اور شر بالکل نادر اور پھر بعد میں شر و فساد کا غلبہ ہوا، جیسا کہ ایک حدیث میں کہا گیا:

ثم یفشو الکذب:...... پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

یہ نہیں کہا کہ ثم یوجد الکذب کہ پھر جھوٹ پایا جائے گا۔ اس لیے کہ جہاں تک جھوٹ کے پائے جانے کا تعلق ہے تو وہ خیر القرون میں بھی پایا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ جو امر امور دینیہ میں سے ان تینوں زمانوں میں مروج ہوگا وہ خیر ہوگا اور جو اُن کے بعد جاری ہوگا وہ شر الامور میں داخل ہوگا اور احادیث مذکورہ بالا سے یہ امر بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ اختلاف کے وقت کسوٹی سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ اس کی تحقیق ''ایضاح الحق'' میں بخوبی مذکور ہے۔

اور پچھلی امت کے واسطے جو آپ نے لفظ خیر ارشاد فرمایا ہے تو وہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو ایمان بالغیب حاصل ہوا اور باوجودیکہ اُنہیں معجزات اور نشانیوں کا مشاہدہ نہیں ہوا مگر

[1] یعنی ایسی بات جو شاذ و نادر کی گئی ہو۔

تب بھی وہ رضا و رغبت سے حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔ چنانچہ اس جزئی فضیلت کی بنا پر آپ نے اس امت کو خیر فرمایا۔ مگر بہرحال فضیلت پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہے۔ یہ آپ نے پچھلوں کی تسلی کے لیے فرمایا ہے۔

((قال رسول الله ﷺ أكرموا أصحابى فإنهم خياركم ثم الذين يلونهم ثم يظهر الكذب.)) ❶

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کا اکرام کرو کیونکہ وہ تم میں سب سے بہتر ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں اور پھر جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔"

علامہ تفتازانی نے تلویح میں ایسا ہی تحریر کیا ہے اس وضاحت سے مؤلفؔ کی تحریر ص ۲۶ کا ردّ ہو گیا۔

قولہ:...... اولاً یہ کہ مشکوٰۃ میں صحیحین کی حدیث متفق علیہ موجود ہے جس میں لفظ "کذب" کا وجود نہیں اور صحیحین کی حدیث نسائی وغیرہ کل محدثین کی احادیث پر مقدم ہوتی ہے۔

أقول:...... کیا اس قاعدہ پر کل مسائل میں عمل کیا جاتا ہے یا خاص اس مسئلہ میں عمل کیا گیا ہے۔ اگر کل مواقع ہے تو کیا وجہ ہے کہ مقلدین احناف بہت سے مسائل میں صحیحین کی حدیث چھوڑ کر سنن اربعہ بلکہ دار قطنی، بیہقی اور طبرانی وغیرہ کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ❷

اور اگر خاص اسی مسئلہ میں معمول یہ ہے تو پھر تخصیص کی وجہ بیان کی جائے؟ علاوہ ازیں صحیحین کی حدیث مقدم اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ احادیث میں تعارض پایا جائے اور یہاں کسی طرح کا تعارض نہیں پایا جاتا۔ یہ محض مؤلف کی کج فہمی ہے۔

---

❶ مسند احمد ۱: ۲۶. بجائے اکرموا کے امنوا استعمال ہوا ہے۔

❷ مثلاً صحیحین (بخاری اور مسلم) سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: اللهم باعدبينى وبين خطاياى...... الخ" اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں "سبحانك اللهم......" وارد ہے۔ اب تمام حنفیہ یہاں پر صحیحین کی حدیث چھوڑ کر سنن پر عمل کرتے ہیں اور اس کی دوسری کئی مثالیں اور بھی ہیں

قوله:...... ثانیاً: اگر تسلیم بھی کر لیں تب بھی اُن کی مراد پوری نہیں ہوتی، اس لیے کہ کذب کے معنی جھوٹ کے ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات، پھر کجا جھوٹ بولنا اور کجا نئی بات۔

أقــول:...... کذب کے معنی خلاف واقع بیان کرنے کے ہیں اور اہل بدعت میں یہ معنی بخوبی پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدعت دین الٰہی میں داخل ہے جس کے کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے اور اللہ کی قربت نصیب ہوتی ہے۔ یہ صریح خلاف واقع ہے کیونکہ اجر و ثواب کا حاصل ہونا شارع کے بیان کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

قوله:...... ثالثاً یہ کہ محدثین کہتے ہیں کہ بعض حدیثیں کسی حدیث ہی کی شرح ہوتی ہیں۔

أقول:...... جب کہ صحیحین کی حدیث سے یہ معلوم ہو چکا کہ قرون ثلاثہ کے بعد ایسے اشخاص ہوں گے کہ خیانت اور دروغ گوئی کی عادت ہوگی تو معلوم ہوا کہ وہ شریعت کے بالکل پابند نہ ہوں گے اور نفس کی خواہشات کے تابع ہوں گے۔ پس جب اُن کا یہ حال ہوگا تو جس امر کی طرف اُن کی رغبت اور خواہش ہوگی اس کو ایجاد کریں گے اور اس پر عمل کریں گے اور یہی بات بتانا مقصود تھی۔

قــوله:...... رابعاً: یہ کہ جس حدیث سے سند پکڑتے ہیں، اس میں تو یہ ہے کہ تین قرن کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا، یعنی اُس سے پہلے نہ ہوگا حالانکہ بدعتوں کا وجود عین انہی قرون میں ہوا ہے، یعنی معتزلہ، قدریہ اور مرجیہ جو تمام کے تمام بدعتی فرقے ہیں۔ [1]

أقول:...... اگرچہ بعض بدعات کا وجود قرونِ ثلاثہ میں پایا گیا ہے لیکن اس پر ردّ اور انکار بھی ثابت ہے، یعنی دین میں اُس نئی چیز کو بدعت کہا جائے گا جو یا تو قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد کی گئی ہو اور یا پھر قرونِ ثلاثہ میں ظاہر ہوئی ہو، لیکن اُس پر انکار کیا گیا ہو، جیسا کہ پہلے تحریر کیا

---

[1] **معتزله**......: وہ فرقہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل کرتا ہے۔
قدریه......: وہ فرقہ جو کہ تقدیر کا انکار کرتا ہے، یعنی یہ کہ انسان اپنے ہر فعل میں بالکل آزاد ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا پابند نہیں ہے۔
مرجیه......: وہ لوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہ پہنچائے گا۔

جا چکا ہے۔

قولہ:...... خامساً: یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد یونانیوں کا علم فلسفہ مسلمانوں میں رائج ہوا۔

اقول:...... جس نے یہ بات بیان کی ہے اُس کی یہ غرض نہیں ہے کہ کذب کی اقسام میں سے صرف اسی ایک قسم (یونانی فلسفہ) کا ظہور ہوگا بلکہ ایک احتمال بیان کیا ہے، لیکن اگر اس کی غرض یہی ہے (کہ صرف یونانی فلسفہ ہی لفظ کذب سے مراد ہے) تو بالکل مردود ہے۔

قولہ:...... سادساً: جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں یہ مطلب اس وقت ثابت ہوتا جبکہ حدیث کے لفظ یوں ہوتے: "ثم لا يظهر إلا الكذب." "ثم سوائے کذبؔ کے اور کچھ ظاہر نہ ہوگا۔"

أقول:...... جبکہ حدیث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ قرون ثلاثہ کے بعد کذب پھیل جائے گا تو معلوم ہوا کہ غالب اور اکثر اس زمانہ میں شریعت کی مخالفت ہوگی اور موافقت قلیل و نادر، اور زمانۂ سابق میں معاملہ برعکس ہوگا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: ثم يفشو الكذب...... "یعنی پھر جھوٹ پھیل جائے گا" اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں: يظهر الكذب...... "جھوٹ ظاہر ہوگا۔" یہ نہیں فرمایا کہ ثم يوجد الكذب...... "پھر جھوٹ پیدا ہوگا۔" اگر یہ لفظ ہوتا تو اس میں اعتراض کی گنجائش تھی اور اس لفظ کا ثابت کرنا محال ہے۔ جہاں تک معتزلہ، قدریہ اور مرجیہ وغیرہ کا تعلق ہے اگرچہ قرن ثلاثہ میں پیدا ہوئے لیکن اُن پر ردّ و انکار بھی ہوا ہے اور یہی اُن کے گمراہ ہونے کی دلیل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو جنبی (ناپاک شخص جسے غسل کی حاجت ہو) کے لیے تیمّم سے منع فرماتے تھے اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کو حدیث یاد نہ رہی تھی۔ جن کو یاد تھی وہ اُس پر برابر عمل کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غلطی پر سمجھتے تھے۔ ایسے ہی یزید وغیرہ کا قصہ جو مؤلف نے بیان کیا ہے محض بے محل ہے کیونکہ ہم اُول بیان کر چکے ہیں کہ بدعت وہ ہے جو بغیر ردّ و انکار کے قرن ثلاثہ میں نہ پائی جائے اور جہاں تک مؤلف کی بیان کردہ مثالوں کا تعلق ہے تو اُس پر انکار بخوبی ثابت ہوا اور اس وضاحت سے مؤلف کے

دلائل کا ردّ ہو گیا۔

آفندی رسالہ ردّ بدعات میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان اطلاق البدعة غالبا فی القبيحة وهی العمل المحدث فی الدين والسنة ما احتيج إلى احداثه فی الدين لضرورة وهی ذهاب الدين او نقصانه ومثالها كتابة القرآن واعرابه وكتابة الحديث وإخراج قواعد النحو والصرف واصول الفقه واصول الكلام لانها من باب حفظ الدين وهو فرض وكان الاولون يكرهون كتابة الحديث لئلا يشتغل الناس بها عن الحفظ وقالوا حفظوا كما يحفظ ولذاكره ابوبكر رضی اللہ عنہ تصحيف القرآن فی مصحف وقال كيف يفعل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ حتى اشار الصحابة إليه خوفا من تكاسل الناس ومن ان يقع نزاع فی كلمته فلا يرجع اصل يرجع اليه ."

"جان لو کہ بدعت کا اطلاق اکثر مذموم اور قبیح ہوتا ہے، یعنی وہ عمل جو دین میں نیا نکالا جائے۔ اور بدعت حسنہ وہ ہے کہ جس کے نکالنے کے لیے دین میں ضرورت پڑے اور ضرورت یہ ہے کہ دین میں کمی یا زوال کا خوف ہو جیسے قرآن و حدیث کا لکھنا اور اعراب لگانا اور صرف ونحو کے قواعد اور اصول فقہ اور اصول کلام کو نکالنا، اس لیے کہ اس سے دین کی حفاظت ہوتی ہے اور ایسا کرنا فرض ہے اور پہلے لوگ حدیث کی کتابت کو مکروہ سمجھتے تھے تا کہ لوگ اس میں مشغول ہو کر حفظ کرنے سے نہ رہ جائیں اور کہتے تھے یاد کرو جیسا کہ یاد کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کو مکروہ جانا تھا اور کہا تھا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کس طرح کیا جائے، یہاں تک کہ صحابہ کا مشورہ ہوا کہ لوگوں میں سستی بہت ہے، ایسا نہ ہو کہ ضائع ہو جائے اور اس لیے

بھی کہ اگر کسی کلمہ میں اختلاف ہو جائے تو ایسی اصل موجود ہو جس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔"

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مراد مخالفت سے یہ نہیں ہے کہ صریح معارضہ پایا جائے بلکہ جو شے دلیل سے ثابت نہ ہو وہ بھی مخالف ہے۔ اس پر شواہد بہت ہیں۔ مصنف کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

قوله:...... علامہ شرنبلانی نے حاشیہ دُرر غرر حنفی میں لکھا ہے کہ نیت نماز کی اصل (دل) سے ہوتی ہے اور منہ سے ادا کرنا اس کا مستحب ہے۔

أقول:...... اگرچہ اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے، لیکن تحقیقی قول یہی ہے کہ ایسا کرنا مذموم ہے۔ ملا عابد سندھی "مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنفیہ" میں لکھتے ہیں:

"واما التلفظ بالنية فهو خلاف السنة اذ لم ينقل ذالك من النبي ﷺ والصحابة ومن تبعهم وقد ثبت في الصحيح انه ﷺ كان إذا قام الى الصلاة قال الله اكبر ❶ ولو كان يقول قبل التكبير شيئا لروى ذالك وقد صح ايضا انه ﷺ قال للمسيئ صلاته: إن قمت إلى الصلاة فكبر ❷ ، والفاء تدل على تعقب التكبير بالقيام من غير تراخ من غير ان يتخلل بينهما شيئ آخر ، قال ابوداود: سألت محمد بن اسماعيل: إنك تقول قبل التكبير شيئا ، قال: لا ، والإتباع كما يكون في الفعل يكون في الترك فمن واظب على مالم يفعل الشارع فهو مبتدع لشمول قوله عليه السلام: مالم يفعل الشارع فهو مبتدع لشمول قوله عليه السلام: من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد ."

---

❶ ابو داؤد، باب استفتاح الصلاة، مسند احمد ٥ : ٢٥٣.

❷ مسند احمد، ٥ : ١٧٨، بيهقي ٥ : ٣٥١.

[وهو ﷺ کما کانوا استحسنها المشایخ للإستعانة علی استحضار النیة لمن احتاج إلیها وهو ﷺ کما کانوا فی مقام الجمع والحضور لم یکونوا محتاجین إلی الاستحضار المذکور] ❶

لانا نقول اثبات هذه المقدمات دلیل علی ان هذا امر مستحسن وکلما کان مستحسنا کان افضل ومعلوم انه ﷺ لا یاتی إلا بالافضل لقوله ﷺ: إنی اخشاکم واعلمکم بالله ❷ فاندفع حینئذ ما قیل ان التلفظ بها عبادة اللسان کما انها عبودیة القلب والأفعال المنویة عبادة الجوارح لانه لو کان کذالك لما عدل الشارع عنها واخذ استحباب التلفظ بها من قوله ﷺ لبیك حجة وعمرة ❸ وقیاسهم فی ذالك علیه اخذ بعید غیر متوجه لانه إنما قال ذالك فی إبتداء احرامه تعلیما للصحابة ما یهلون به وما یقصدونه من النسك ولقد صلی اکثر من ثلاثین الف صلاة فلم ینقل انه قال: نویت ان اصلی کذا، وترکه ﷺ سنة کما ان فعله سنة، والفرق بین الحج والصلاة اظهر من ان یقاس احدهما علی الآخر، وإلٰی هذا مال ابن القیم فی الهدی النبوی وتبعه من علماء نا الشیخ علی القاری فی شرح المشکاة."

"نماز میں نیت کو زبان سے کہنا ثابت نہیں ہے اور خلافِ سنت ہے کیونکہ رسول

❶ عربی عبارت واضح نہیں ہے، اس لیے ترجمہ میں تصرف سے کام لیا گیا ہے اور مفہوم کو ادا کیا گیا ہے۔

❷ کتاب الشفاء للقاضی عیاض، ۲: ۳۹۱.

❸ البخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، کتاب الحج ملاحظہ کی جائے۔

اللہ ﷺ اور صحابہ اور تابعین سے ثابت نہیں ہوا اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے اگر تکبیر سے پہلے آپ کوئی لفظ بولتے تو ضرور منقول ہوتا اور ایک شخص نے آپ کے روبرو نماز اچھی طرح نہیں پڑھی تھی تو آپ نے اس کو تعلیم کی اور فرمایا: جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو یہ نہیں فرمایا کہ نماز کی نیت کر۔ اور ابوداؤد نے کہا کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا کہ تم تکبیر سے کچھ کہتے ہو، انہوں نے کہا: کچھ نہیں، اور جس طرح آپ کے فعل کی پیروی کرنی چاہیے، اسی طرح جس چیز کو آپ نے چھوڑا ہو، اُسے ترک کرنے میں بھی آپ کی اتباع کرنی چاہیے، پس جو شخص ایسا کلام کرے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: جو کوئی ایسا عمل کرے جس کو ہم نے نہیں کیا تو وہ مردود ہے۔

[بعض مشائخ نے زبان سے کہنے کو اس شخص کے لیے جائز رکھا ہے جو اس کی ضرورت محسوس کرتا ہو، یعنی زبان سے کہنا نیت کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہو، کیونکہ جہاں تک پہلے لوگوں کا تعلق تھا تو وہ حضورِ قلب کی بنا پر زبان سے کہنے کے محتاج نہ تھے]

اگر کوئی کہے کہ یہ بدعت مستحسنہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جو چیز مستحسن ہے وہ افضل ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے افضل کو کیوں ترک کیا؟ حالانکہ یہ چیز معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ افضل ہی کو اختیار کریں گے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ علم بھی رکھتا ہوں۔

چنانچہ یہ کہنا غلط ثابت ہوگیا کہ نیت کا زبان سے کہنا زبان کی عبادت ہے، جیسا کہ دل میں اس کا خیال کرنا دل کی عبادت ہے اور جن افعال کی نیت کی گئی ہے

اُن کو بجالانا اعضا کی عبادت ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شارع اس کا ذکر ضرور کردیتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ نیت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حج وعمرہ سے قبل بوقت نیت زبان سے کہا جاتا ہے: لبیک، حج یا عمرہ کی نیت کرتا ہوں تو یہ قیاس بڑی دور کی کوڑی لانا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے احرام باندھتے وقت صحابہ کی تعلیم کے لیے یہ الفاظ کہے تھے تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ وہ کس چیز کا احرام باندھ رہے ہیں اور حج یا عمرہ میں سے کس عبادت کا قصد کررہے ہیں، اور نبی کریم ﷺ نے تیس ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں اور یہ بات بالکل منقول نہیں کہ آپ نے یہ کہا ہو کہ میں فلاں فلاں نماز کی نیت کرتا ہوں۔ آپ کا کسی فعل کو چھوڑنا بھی سنت ہے، جیسا کہ کسی فعل کا کرنا اور نماز اور حج میں اتنا فرق ہے کہ ایک کا دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابن قیم بھی راسی رائے کی طرف گئے ہیں اور ہمارے علماء میں سے مشکوٰۃ کے شارح ملا علی قاری نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔"

اور فتح القدیر کے معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الہمام بھی اس طرف مائل ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ عدم نقل عدم کو مستلزم ہوتی ہے۔[1] چنانچہ فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت سے مسائل کھڑے کیے ہیں۔

ہدایہ میں مذکور ہے: "لیس فی الکسوف خطبة لانه لم ینقل" "گرہن کی نماز سے قبل کوئی خطبہ نہیں ہے کیونکہ ایسی بات منقول نہیں ہے۔" اوراس طرح کے نظائر کئی ہیں۔

❁❁❁❁

قوله:...... امام نووی کے استاد ابوشامہ نے اس محفل کو پسند کیا۔

اقول:...... اگر ابوشامہ کا قول مطلقاً حجت ہے تو اُن کا قول انکارِ تقلید شخصی میں کیوں نہیں

[1] یعنی اگر کوئی بات منقول نہ ہو تو پھر وہ سرے سے واقع نہیں ہوئی۔

مقبول ہوتا۔ یہ کیا انصاف ہے کہ جو بات اپنی مطلب کی ہوئی اُسے لے لیا اور مخالف کو چھوڑ دیا۔

قولہ:...... اور شاہ صاحب موصوف کے بیان سے ''تحفہ'' میں بدعت حسنہ کا وجود پایا جاتا ہے۔

أقول:...... شاہ عبدالعزیز صاحب ''رجوم الشیاطین'' میں لکھتے ہیں کہ

''ہر بدعتے در عبادات بدنیہ محضہ مثل صوم و صلاۃ و طہارت نو پیدا نماید ہمہ سیئہ اُست، بدعت مباحہ منحصر درع عادات است مثل پختن پلاؤ در شادی و مانند آن، و بدعت حسنہ در عبادات مالیہ مثل نباید مدارس و خانقاہات، اما در عبادات بدینہ محصنہ پس بدعت نمی باشد مگر سیئہ۔''

''ہر وہ بدعت، یعنی نئی بات جو بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ اور طہارت میں نکالی جائے سب کی سب بدعات سیئہ ہیں۔ جائز بدعت۔

رسم و رواج کی حد تک ہیں جیسے شادی بیاہ میں پلاؤ پکانا وغیرہ وغیرہ، مالی عبادات میں بدعت حسنہ کی مثال ایسے ہے جیسے مدارس اور خانقاہیں بنوانا، لیکن صرف بدنی عبادت میں کسی نئی چیز کا پیدا کرنا سراسر بدعت سیئہ ہے۔''

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدعت حسنہ اُن کے نزدیک محض عبادت مالی میں ہوتی ہے اور مؤلف کا یہ کہنا کہ مولوی اسماعیل نے آخر الأمر توبہ کی اور بدعت کے قائل ہوگئے بالکل غلط ہے کیونکہ مولانا صاحب کی غرض اس سے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خواص میں سے اشغال جریدۃ اور اوضاع محدثہ کو محض ذریعہ و وسیلہ سمجھ کر عمل میں لائے لیکن جب مقصود حاصل ہو جائے تو ترک کردے اور اس پر مداومت نہ کرے، اُس کے حق میں بدعت نہیں ہے۔ [1]

شاہ صاحب ''ایضاح الحق'' میں فرماتے ہیں:

---

[1] یعنی اگر کوئی بزرگ کسی نئی چیز یا نئے عمل کو بطور وسیلہ اختیار کریں اور مقصد حاصل ہو جانے کے بعد اُسے چھوڑ دیں اور اُس پر ہمیشہ ہمیشہ عمل نہ کریں تو پھر اسے بدعت نہ کہا جائے گا۔

''مسالہ ثالثہ تعیین اوراد و اذکار و ریاضات وخلوات و اَربعینات ونوافل عبادات وتعیین اَوراد واذکار از جہر و اخفاء وضربات واعداد ومراقبات برزخیہ والتزام طاعات شاقہ ہمہ ازقبیل حقیقہ اَست بہ نسبت اکثر طلاب کہ آنرا اصل کمالِ شرعی یا ازمکملات میدانند، اَمابہ نسبت خواص کہ آنرا محض ازقبیل وسایل دانستہ در تقلیم وترویج ان سعی میکند پس ازقبیل بدعات حکمیہ باشد، آرے اخص الخواص بنابر ہدایت چندے از اغبیاء کہ نفوس ایشان در مرتبہ قصوی از غباوت وعصیان واقع شدہ اند اگر تعلیم اُمور مذکورہ کردہ باشند وایثارَ اَمثال این باغ سبز لبوئی دام اطاعت حق کشیدہ باشند وصرف بنابر اصلاح استعداد ناقصہ ایشاں بقدر حاجت و ضرورت بطور وسایل بے التزام وترویج و اہتمام بکار بردہ باشند وَقت حصول مقصود آنرا ترک دادہ باشند، پس ہر چند تعلیم امور مذکورہ کہ از ایشاں در بعضے احیان بہ نسبت بعضے اذہان بحسب اتفاق وقت ورعایت مصلحت وقت بوجود اید بہ نسبت ایشان ازقبیل بدعات نباشد، اَما کلام دریں مقام دراکثر اہل زمان ست کہ آنرا مثل شریعت مسترہ وطریقہ مسلوکہ می شناسند۔''

''تیسرا مسئلہ، ورد، وظیفے، ذکر، ریاضت، خلوت نشینی، نوافل از خود مقرر کردہ ورد، ذکر بلند آواز سے یا مخفی طور پر کرنا، مراقبہ میں ضرب اور تعداد مقرر کرلینا، برزخیہ (تحت الشعور) مراقبے لازم قرار دے لینا، [1] ریاضات (مشقت والی بندگی)

---

[1] ذکر جہری، ذکر خفی، ضرب اور مراقبہ برزخیہ کے بارے میں ہمارے بزرگ دوست جناب حکیم غلام، نبی صاحب نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

''صوفی حضرات چشتیہ خاندان والے ذکر جہری کرتے ہیں، یعنی بلند آواز سے لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور کہتے چلے جاتے ہیں۔ خاندانِ نقشبندیہ کے صوفی ذکر خفی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ منہ سے نہیں بولتے ہیں۔ ''لا'' کو ناف سے کھینچ کر سیدھا اوپر سینہ کے لاتے ہیں۔ پھر الہ کے لفظ کو تصور میں کھینچ کر بائیں سینہ پر لے جاتے ہیں۔ پھر ''الا اللہ'' کے لفظ کو دل پر پتھر کی طرح اُٹھا مارتے ہیں۔ یہ ہے ''ضرب'' ان ضربوں کی گنتی مرشد بتاتا ہے کہ اتنی ضربیں فلاں لگایا کرو تخلیہ میں)۔ ⇦⇦⇦

اور اس قسم کی تمام قسم کی چیزیں بعض طالبین کے لیے حقیقت دکھائی دی جاتی ہیں اور وہ انہیں شریعت کی تکمیل سمجھتے ہیں، لیکن خاص لوگوں کے نزدیک یہ تمام چیزیں تعلیم اور ترویج علم کے ذرائع و وسائل میں سے ہیں اور انہیں وہ بدعت ہی کے حکم میں سمجھتے ہیں۔ ہاں بہت ہی خاص لوگ (یعنی اخص الخواص) چند ایسے لوگوں کی ہدایت کی خاطر جو کند ذہنی اور معصیت میں انتہا درجے تک پہنچے ہوئے ہوں انہیں ان امور کی تعلیم دیں تو انہیں چاہیے کہ ایسے کند ذہن لوگوں کو اس سبز باغ کی نمائش کے بعد جلد از جلد صحیح دام اطاعت کی طرف کھینچ لائیں۔
ناقص استعداد رکھنے والے لوگوں کی اصلاح کے لیے مذکورہ امور کو بطور ذریعہ کے استعمال کریں اور بہت کم مقدار میں اور جب اُن کی اصلاح ہو جائے تو یہ کام چھوڑ دیں۔ ایسے خاص الخاص لوگوں کا ایسی باتیں کرنا کہ جس سے مقصود غبی حضرات کی ہدایت ہے، بدعت نہ ہوگا بلکہ مصلحت شمار ہوگا۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے ایسی باتوں کو شریعت اور جانا پہچانا طریقہ سمجھ رکھا ہے۔'' (لیکن ایسا سمجھنا غلط ہے)

قولہ:...... ایک کم نصیبی اس مفتی کی یہ کہ حضرت کا ذکر اور ﷺ نہ کہا۔ اتباع سنت کا دعویٰ

⇦⇦⇦ مراقبہ برزخیہ سے مراد ہے کہ جیسے موت اور حشر و نشر حساب کے درمیان کا وقفہ یا وقت ہے، اسی طرح صوفی مراقبہ میں بے ہوش ہو جاتا ہے اور تحت الشعور سے ذکر کرتا ہے۔ مراقبہ میں آنکھیں کان بند کرتے ہیں۔ زبان تالو سے لگا لیتے ہیں، سانس جب تک ہو سکے بند رکھا جاتا ہے اور بہت آہستہ سانس لیا جاتا ہے۔ نظر اندرونی ماتھے پر دونوں بھوؤں کے درمیان دیکھتے ہیں۔ وہاں روشنی نظر آنے لگتی ہے۔ اسی روشنی میں صوفی دنیا کی اور آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ یہ مراقبہ ہندو بھی کرتے ہیں اور اُسے سمادھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے (Meditation) کہا جاتا ہے۔ عیسائی، یہودی، بدھ مذہب والے تبتی عام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ نبوت سے پہلے غار حراء میں اسی طرح کی عبادت کیا کرتے تھے جسے ''أحنث لکھا گیا ہے۔'' واللہ اعلم

ہمارے صوفی حلقہ بھی کرتے ہیں۔ مرشد کے گرد مرید بیٹھ جاتے ہیں اور ذکر جہری شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر بے ہوش ہو جاتے ہیں، پھر مرشد جگاتا ہے۔

اس قدر......الخ

اقول:...... بلاشک ہم کو اتباع سنت کا دعویٰ ہے اور بفضل خدا علی رغم انف الحاسدین ❶ یہ نعمت ہم کو حاصل ہے۔

روئے زائر بحدیث ورخ یاران سوئے رائے

ہر کہ بود از قلم تقدیر است

''زائر (مؤلف کا تخلص ہے) کا رخ حدیث کی طرف ہے جبکہ یاروں کا رخ رائے کی طرف ہے، جو کچھ بھی ہوا تقدیر کے قلم سے ہوا۔''

یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ جب آپ کا نام آئے تو ﷺ کہنا چاہیے لیکن قید کتابت میں آنا ضروری نہیں ہے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کافی ہے اور جب کہ کسملہ (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) اور حمد (یعنی الحمد للہ رب العالمین) کا تحریر کرنا ضروری نہیں ہے۔ صرف زبان سے کہنا کافی ہے تو صلاۃ کا بطریق اولیٰ کہنا کافی ہوگا۔ مؤلف رسالہ، عوام میں علمیت جتانے کے لیے نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن آخر الأمر رسوا ہوتے ہیں۔

ع رسوا شود کسیکہ سخن چین بود غنی ہر جا کہ خامہ ایست زبانش بریدنی اُوست

''اے غنی! سخن چین (غلطیاں ثابت کرنے والا) کوئی بھی ہو آخر رسوا ہی ہوتا ہے خامہ (یعنی قلم) جہاں بھی ہو اُس کی زبان کاٹی جاتی ہے۔'' ❷

قولہ:...... اس میں یہ سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ اشعار میں مخاطب حاضر ہوں۔ یہ سوال نہیں کہ مجلس میں حاضر ہونے کا اعتقاد ہو۔

اقول:...... اگرچہ سوال میں لفظ اعتقاد کا مذکور نہیں ہے لیکن غرض اس سے یہی ہے کہ جو لوگ محفل مولود قائم کرتے ہیں اور اس قسم کے اشعار پڑھتے ہیں تو انہیں یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ

---

❶ یعنی حاسدوں کے حسد کے باوجود۔

❷ یہ شعر غنی کشمیری کا ہے۔ دوسرے مصرعہ کی مزید وضاحت کے طور پر عرض ہے کہ قلم کو حظ لگایا جاتا ہے۔ قلم کے خود معنی کاٹ ڈالنا ہے، اس لیے قلم سخن چین ہوتا ہے۔ (از افادات حکیم غلام نبی)

رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ اسی وجہ سے قیام کرتے ہیں اور قیام کی تحقیق آگے کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قارئین! خیال فرمائیں کہ مؤلف رسالہ ہم پر طعن کرتا ہے کہ دعویٰ اتباعِ سنت کا اور صاحب سنت علیہ السلام پر درود بھی ندارد، اور اپنا یہ حال ہے کہ لکھتا ہے: آئندہ تحقیق آئے گی اور ان شاء اللہ ندارد، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الکھف)

''اور کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہو کہ میں اُسے کل کروں گا، مگر ساتھ یہ بھی کہو کہ اگر اللہ چاہے۔''

؎ عالم کہ کامرانی و تن پروری کند　　اُو خویشتن گم است کرا رہبری کند

''جو عالم دین ہو کر اپنی تن پروری کے لیے کام چلاتا ہے وہ خود گمراہ ہے، کسی کی رہبری کیا کرے گا۔''

❁❁❁❁

قولہ: ...... اگر اللہ تعالیٰ کی نسبت بھی یہی اعتقاد ہوتا کہ وہ مولود خوانی کی محفلوں میں حاضر ہوتا ہے نہ اور کسی جگہ تو پھر صفت الٰہی میں برابری اور مشارکت لازم آتی۔

أقول: ...... مفتی صاحب کی مراد اس سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں میں حاضر جاننا شرک ہے، کیونکہ ایک ہی وقت میں مختلف معاملات میں حاضر ہونا اللہ رب العالمین کی خصوصیت ہے، یعنی قوت بشری سے خارج ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کو حالت حیات میں یہ صفت حاصل نہ تھی تو موت کے بعد کیسے حاصل ہو سکتی ہے! اگر فرض کیا جائے کہ روحِ مبارک بطور خرقِ عادت ایک وقت کے اندر مختلف مقامات میں حاضر ہو سکتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اُن مقامات کا معلوم ہونا شارع کے بیان پر موقوف ہے اور یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا کہ جس جگہ درود پڑھا جاتا ہے وہاں آپ تشریف لاتے ہیں۔ صرف اس قدر ثابت ہے کہ درود کا ثواب آپ کو پہنچ جاتا ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جس جگہ

آپ کی سنت کے خلاف کام کیا جائے اور اپنی جانب سے تخصیص و تعیین نکالی جائے وہاں آپ کس طرح تشریف لائیں گے؟ اس پر تو آپ رضا مند ہی نہ ہوں گے اور کرامات و مکاشفات اولیاء اگر چہ حق اور ثابت ہیں لیکن حجت شرعیہ نہیں ہوسکتیں۔

قولہ:...... اور روئے زمین پر کل جگہ موجود ہونا تو صرف خدا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے......الخ [1]

أقول:...... گفتگو اس بات پر ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک وقت میں کئی جگہ حاضر ہونے کی قوت عطا نہیں فرمائی کیونکہ آپ بشر تھے۔ اگر یہ مانا جائے کہ ملک الموت میں یہ صفت موجود ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں کیونکہ بات بشر کے بارے میں ہورہی ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات اکثر پر بھی کل کا حکم لگادیا جاتا ہے کیونکہ "للأکثر حکم الکل."

اور یہ جو لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے عجیب وغریب ہے، اس لیے کہ شیطان شخص واحد نہیں ہے بلکہ اس کی ذریات اور افواج بے انتہا ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں شیاطین بصیغہ جمع وارد ہے اور بعض روایات سے صراحتاً یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

قولہ:...... "لمعہ أولیٰ: اثبات محفل مولد النبی ﷺ."

أقول:...... مؤلف نے اس عمل کے اثبات میں بے مطلب طویل بحث کی ہے اور جس قدر دلائل بیان کیے ہیں وہ سب رکیک اور پوچ ہیں اور ان کا تعلق نفس مضمون سے کچھ نہیں، ہم اس عمل کے باطل ہونے پر چند دلائل قائم کرتے ہیں اور جن سے مؤلف کی ساری تحریر کا ردّ ہوجائے گا اور پھر اختصار کے ساتھ مؤلف کے رکیک دلائل کا بھی ردّ کیا جائے گا۔

دلیل اوّل:...... دین کے چار اصول ہیں: کتاب وسنت، اجماع وقیاس اور یہ عمل

---

[1] اور جو کہ معراج کا قصہ ہے اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اُس سے ایک وقت کے اندر چند مقامات میں موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو وہ دلیل سے ثابت ہے اور یہاں پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (از مؤلف)

ادلۂ اربعہ میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ کتاب وسنت سے اس کا ثابت نہ ہونا تو ظاہر ہے اور اجماع و قیاس کی نسبت آپ پوچھتے ہیں تو لیجئے، اجماع و قیاس سے اس لیے ثابت نہیں کہ اجماع و قیاس جو کہ دلیل ہے وہ مجتہدین کا ہے اور اس عمل پر اجماع تو کجا ایک مجتہد (جس کا اجتہاد مانا گیا ہو) کا بھی قول نہیں ہے اور تعامل سے بھی ثابت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ عمل مختلف فیہ ہے۔ بعض اسے جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز، پس تعامل نہ ہوا۔ علاوہ اس کے تمام ممالک کا تعامل بھی نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے۔ اس لیے کہ بعض بلاد میں اس کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور بعض ممالک کا تعامل بھی اس وقت حجت شرعیہ بنتا ہے جبکہ صدر اول (آنحضور ﷺ کے زمانہ سے) اس پر عمل ہوتا رہا ہو۔

درّ مختار میں ہے:

”وجوز بعض مشایخ بلخ بیع الشراب لتعامل اهل بلخ والقیاس یترك للتعامل ونوقض بانه تعامل اهل بلدة واحدة .“

”بعض مشائخ بلخ نے شراب کی بیع کو جائز رکھا ہے۔ اس واسطے کہ اہل بلخ کا اس پر تعامل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس متروک ہوجاتا ہے اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ایک شہر کا تعامل ہے۔“

پس یہ عمل بدعت ہوا اور ہر بدعت گمراہی ہے لقوله علیه السلام: کل بدعةٍ ضلالة .

اگر کوئی کہے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک حسنہ اور دوسرے سیئہ، پس یہ کلیہ مخصوص ہے۔ [1]

تو ہم جواباً کہتے ہیں کہ بدعت شرعی ہرگز منقسم نہیں ہوسکتی، جو منقسم ہوسکتی ہے وہ بدعت لغوی ہے (عربی زبان کی حد تک کہ بدعت کا مطلب ہے نئی چیز) جیسا کہ پہلے بیان

---

[1] کلیہ سے مراد یہاں یہ عبارت ہے کہ ”کل بدعة ضلالة“ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے، اور چونکہ بدعت کی دو قسمیں ہوگئیں، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ اس کلیہ میں عموم باقی نہ رہا بلکہ یہ صرف بدعت سیئہ کے ساتھ خاص ہوگیا۔

ہو چکا ہے۔

دلیل دوم:...... یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر عبادات میں داخل ہے اور عبادات کی ہیئیت توقیفی ہوتی ہے (شارع کے مقرر کیے بغیر اُسے عبادت نہیں قرار دیا جاسکتا) پس جبکہ توقیفی ہوئی تو بغیر شارع کے بیان کے اس پر عمل کرنا مکروہ ہوا اور اس عمل پر فقہائے احناف کی بہت سی عبارتیں دلالت کرتی ہیں۔

ہدایہ میں مذکور ہے:

"وفی الجامع الصغیر لم یذکر الثمانی فی صلاۃ اللیل ودلیل الکراھۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذالك ولولا الکراھۃ لزاد تعلیما للجواز."

"جامع صغیر میں آٹھ رکعتوں کو رات کی نماز میں ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اضافہ نہیں کیا۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو آپ اس کے جواز کو دکھلانے کے لیے اضافہ کرتے۔"

ابن الہمام فتح القدیر میں اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں:

"ودلیل الکراھۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذالك...... الخ یعنی الاصل فی ذالك التوقیف."[1]

---

[1] کراہت کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر اضافہ نہیں کیا، یعنی یہ عبادت توقیفی ہے (کہ جیسا شارع نے مقرر کیا، ویسے ہی جائز ہوگا)

عربی عبارت (وفی الجامع الصغیر...... الخ) سے غالباً مراد یہی ہے کہ رات کی نماز کے بارے میں جو روایت آئی ہے اس میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ کا ذکر نہیں ہے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت:

"ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی." (بخاری و مسلم)

"آنحضور ﷺ رمضان میں اور رمضان کے علاوہ (باقی راتوں میں) گیارہ رکعت سے ⇦⇦⇦

اور نیز اسی کتاب میں مذکور ہے:

”انه لا یتنفل فی المصلی قبل العید لانه ﷺ لم یفعل مع حرصه علی الصلاة .“

”عید سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھے باوجود یہ کہ آپ نماز پڑھنے پر بہت رغبت رکھتے تھے۔“

اور ایسا ہی یہ بھی درج ہے کہ

”لا یقلب القوم اردیتهم لانه لم ینقل انه علیه السلام امرهم بذالك .“

”نماز استسقاء میں لوگ اپنی چادروں کو نہ پلٹیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔“

اور سیّد شریف جرجانی شرح خلاصہ کیدانی میں لکھتے ہیں:

”والزیادة فی التکبیر بان یقال الله اکبر الاعلی لانه غیر منقول عن النبی ﷺ ولا عن الصحابة .“

”تکبیر میں اللہ اکبر کے بعد ”الاعلیٰ“ زیادہ کرنا جائز نہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہوا۔“

اور محیط میں مذکور ہے:

”یکره ان یصافح الرجل بعد اداء صلاة العید فی کل حال لان الصحابة ما صافحوا .“

⇐⇐⇐ زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ وہ چار رکعت پڑھتے اور نہ پوچھو کہ وہ کتنی عمدہ اور طویل ہوتی تھیں؟ پھر چار رکعت پڑھتے اور نہ پوچھو کہ وہ کتنی عمدہ اور طویل ہوتی تھیں؟ پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ وتر سے قبل سو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔“

یعنی جب گیارہ رکعت (بمع وتر) سے زیادہ نہ پڑھنے کا ذکر آ گیا تو یہی سنت ٹھہرا نہ کہ اس سے زائد پڑھنا۔

''نمازِ عید کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ صحابہؓ نے نہیں کیا۔''

دلیل سوم:...... علماء اس عمل کے بارے میں ابتدا سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بعض بدعت اور بعض مباح کہتے ہیں اور فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"ما تردد بين السنة والبدعة فتركه لازم."

''اگر کسی چیز کے بارے میں تردد ہو کہ وہ سنت ہے یا بدعت تو اس کا چھوڑنا لازم ہو جاتا ہے۔''

دلیل چہارم:...... مکلّف حضرات کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مشروع اور دوسرے غیر مشروع۔

مشروع وہ ہیں جو کہ ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہو اور غیر مشروع جو کہ ثابت نہ ہوں اور یہ عمل بھی ادلہ شرعیہ سے ثابت نہیں ہے، پس غیر مشروع ہوا اور غیر مشروع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مکروہ ہو۔ خلاصہ کیدانی میں مذکور ہے: "غير المشروع نوعان، محرم ومكروه" غیر مشروع کی دو اقسام ہیں۔ حرام اور مکروہ۔

❁❁❁❁

خلاصہ کیدانی میں مذکور ہے۔ غیر مشروع کی دو اقسام ہیں: حرام اور مکروہ، علمائے محققین کے اس ضمن میں کئی اقوال ہیں اور ان اوراق میں ان تمام اقوال کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن نمونہ چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

شاہ عبد العزیز صاحب اپنی کتاب ''تحفۃ الاثنی عشریہ'' میں ''وہم'' کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''نوع پانزدہم: امثال متجددہ رایک چیز بعینہٖ دانستن واین وہم خیلے بر ضعیف العقلان غلبہ دارد چنانکہ آب دریا وشعلہ چراغ و آب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب و یک شعلہ خیال کنند واکثر شیعہ در عاداتِ نور منہمک این خیال انہ، مثلاً روز عاشوراء در ہر سال کہ بیاید آنرا روز شہادت حضرت امام حسینؓ گمان برند و

احکام ماتم ونوحہ وشیون وگریہ زاری وفغان وبیقراری آغاز نہند مثل زنان کہ ہر سال برمیت خود این عمل نمایند حالانکہ عقل بالبداہت میدانہ کہ زمان امر سیال غیر قار است ہرگز جزء اوثبات وقرار ندارد واعادہ معدوم محال وشہادت حضرت امام در روزے شدہ بود کہ ایں روز ازاں روز فاصلہ ہزار و دوصد سال دارد ایں روز راباں روز چہ اتحاد وکدام مناسبۃ درروز عید الفطر وعید النحر رابریں بقیاس نباید کہ دکہ انجا مایہ سرور وشادی سال بسال متجد داست یعنی اداء روزہ رمضان وادائے حج خانہ کعبہ کہ شکر للنعمۃ المتجددۃ سال بسال فرحت وسرور نو پیدا می شود لہٰذا اعیاد شرائع برین وہم فاسد نیامد، بلکہ اکثر عقلاء نیز نوروز و مہرجان و امثال ایں تجددات وتغیرات آسمانی راعید گرفتہ اند کہ ہر سال چیزے نو پیدامے شود و موجب تجدد احکام مے باشد وعلی ہذا القیاس تعیید بہ عید بابا شجاع الدین وتعیید بعید غدیر وامثال ذالک مبنی برہمیں وہم فاسداست از ینجا معلوم شد کہ روز نزول آیۃ "الیوم اکملت لکم دینکم" وروز نزولِ وحی وشب معراج راچرا در شرع عید قرار نہ دادہ اند وعید الفطر وعید النحر را قرار دادہ اند وروز تولد ووفات ہیچ نبی را عیدنگر دایندند وچرا صوم یومِ عاشوراء کہ سال اوّل بموافقت یہود آنحضرت ﷺ بجا آوردہ بودند منسوخ شد دریں ہمہ سر است کہ وہم را دخلے نباشد بدون تجدد نعمت حقیقت سرور وفرحت نمودن باغم و ماتم کردن خلاف عقل خالص ازشوائب وہم است" اھ

"تمام نئی نکالی ہوئی باتوں کو ایک ہی جیسا سمجھ لینا ایک ایسا بڑا وہم ہے جس کا کمزور عقل والے لوگوں پر غلبہ ہے جیسا کہ دریا کا پانی، چراغ کا شعلہ اورفوارہ کا پانی ایک جیسا پانی اور دوسرے شعلوں کی طرح کا چراغ کے شعلہ کو بھی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اکثر شیعہ عادت کے مطابق اسی خیال میں منہمک ہیں، مثلاً: روزِ عاشورہ جو ہر سال آتا ہے اُسے امام حسین کی شہادت کا دن خیال کرتے ہیں اور اُس

دن ماتم کرتے ہیں، مرثیے پڑھتے ہیں، روتے ہیں اور بے قراری کا اظہار شروع کر دیتے ہیں جس طرح اکثر عورتیں اپنے مردوں کے سالانہ دن پر سوگ مناتی ہیں۔ حالانکہ عقل واضح طور پر جانتی ہے کہ زمانہ ایک چلتا ہوا امر ہے جسے قرار ہرگز نہیں۔ زمانے کا کوئی حصہ بھی کبھی نہیں ٹھہرا اور گزرے زمانہ کا واپس آنا سخت محال ہے اور شہادت حضرت امام حسین کا دن آج سے بارہ سو سال پہلے کا گزر چکا ہے وہ کیسے آ سکتا ہے! آج کے دن کو اُس دن سے کیا اتحاد اور کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ عید الفطر اور عید بقر کو اُس پر قیاس نہیں کر لینا چاہیے یہ تو ہر سال نئی خوشی اور نیا سرور لانے کا دن ہے، یعنی رمضان کے روزے ادا کرنا اور حج کعبہ ادا کرنا ہر سال ایک نئی نعمت حاصل ہوتا ہے۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہر سال نیا سرور و فرحت پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے شریعت کی عیدیں اس وہم فاسد پر واقع نہیں ہوتیں۔ اکثر عقلاء نوروز، نیا ماہ، میلہ [1] وغیرہ کو نئی نکلی ہوئی باتیں اور تغیرات آسمانی سمجھ کر خوشیاں مناتے ہیں۔ اُن کے لیے ہر سال ایک نئی چیز پیدا ہوتی ہے جو نئے احکام پیدا ہونے کا موجب ہوتی ہے۔ علی ہذا القیاس عید غدیر وغیرہ عیدوں کا آنا اسی وہم فاسد پر مبنی ہے۔ اب معلوم ہوا کہ تکمیل دین کی آیت نازل ہونے کا دن، نزول وحی کا دن اور معراج کی شب کو شریعت میں کیوں عید کا دن نہیں قرار دیا گیا! عید الفطر اور عید النحر کو کیوں قرار دیا گیا، اسی طرح کسی نبی کے یوم ولادت اور یوم وفات کو عید نہیں قرار دیا۔ نبی پاک ﷺ نے یوم عاشوراء کا یہود کی مطابقت پر روزہ رکھا تھا جو منسوخ ہوا۔ ان تمام باتوں میں سے راز ہے جو انسان کے وہم سے باہر ہے۔ صرف نئی نعمت کا ہر سال حاصل ہونا معلوم ہوتا ہے، جو باعث خوشی و مسرت ہونا چاہیے۔ نعمت خداوندی

---

[1] میلہ: فارسی لفظ مہرگان (عربی میں مہرجان) بارہ ماہ ہر ماہ کی سولہ تاریخ کو پارسیوں کے بڑے جشن کا دن ہوتا ہے (از فرہنگ فارسی)۔

حاصل ہونے کا غم و ماتم سے کیا تعلق ہے؟ بلکہ خالص عقل کے خلاف ہے اور وہم سے تعلق رکھتا ہے۔'' ❶

اور کتاب ''شرعیہ الٰہیہ'' میں مذکور ہے:

''واذا علمت معنى البدعة فاعلم ان من البدع المذمومة الشائعة فى الأمصار والبلاد مجلس مولد النبى ﷺ وعلى اصحابه الأمجاد لأنه لم يثبت من الأدلة الشرعية ، أمّا عدم ثبوته من الكتاب والسنة فظاهر وأمّا من القياس فلأن المعتبر هو قياس المجتهدين بالشرائط المقرّرة فى الأصول ولم يذهب مجتهد إلى تجويزه وأمّا الإجماع فلان المعتبر هو اجماع المجتهدين ولما لم يثبت ذهاب واحد من المجتهدين إلى اباحته فكيف يتصور اجماعهم على اباحته واستحبانه على ان الإجماع لا بدله من سند وخلاف الواحد

❶ عید غدیر: غدیر خم (یا مقام خم کا چشمہ) وہ جگہ ہے جہاں آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت پڑاؤ ڈالا تھا، دورانِ حج آپ تک ایسی شکایات پہنچائی گئی تھیں جن کا تعلق یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قیام اور اموال زکوٰۃ میں اُن کے تصرفات سے تھا، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کے لیے یہاں پر خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ ''من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه'' یعنی میں جس کا دوست ہوں تو علی بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔'' (بحواله مسند احمد، مستدرك حاكم، صحيح ابن حبان، طبرانى) شیعہ حضرات نے انہی الفاظ میں اضافہ کر کے ہر سال عید غدیر خم منانا شروع کر دیا کہ آنحضور ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنائے جانے کا بھی ذکر کیا تھا، جو کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، صرف شیعہ حضرات کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ اگر آنحضور ﷺ نے ایسے الفاظ کہے ہوتے تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں کوئی جھگڑا نہ اٹھتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضور کی بات پر جان دے دینے والے تھے، وہ آپ کی بات کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ استاذی شیخ محمد ناصر الدین البانی نے سلسلة الاحاديث الصحيحة مجلد ٤ میں اس خطبہ کے مندرجہ بالا الفاظ کے سارے طرق جمع کیے ہیں۔

مانع له كخلاف الأكثر والسند منتف ههنا، وكثير من العلماء قد بالغوا فی تقبيحه، قال ابن الحاج من المالكية ومن حملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذالك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فی شهر ربيع الاول من المولد وقد احتوى ذالك على بدع ومحرمات، وقال عبد الرحمن المغربی من الحنفية فی فتاواه ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله ﷺ والخلفاء والائمة وسئل الإمام نصر الدين الاودی من الشافعية عن الاحتفال لذكر مولد النبی الكريم فأجاب: لا يفعل لانه لم ينقل عن السلف الصالح وانما احدث بعد القرون الثلاثة فی الزمان الطالح ونحن لا نتبع الخلف فيهما اهمل السلف لانه يكفی بهم الإتباع فایّ حاجة إلى الابتداع، ولهٰذا قال ابن الفضل وقال احمد بن الحسن فی ملفوظه ان هذا العمل لم ينقل عن السلف ولا خير فيما لم ينقل عن السلف، قال رسول الله ﷺ: لا يصلح آخر هذه الامة ما يصلح اولها "نقله عن ابن النقطة، وانما احدث هذا العمل من تبع هواه ولا يعلم ما أمر صاحب الشريعة وما نهی عنه كما قال ابن قاضی الجبل، وانا قد روينا فی التاريخ ان صاحب إربل الملك المظفر ابو سعيد كوكبری كان ملكا مسرفا يامر علماء زمانه ان يعملوا باستنباطهم واجتهادهم ولا تتبعوا المذاهب غيرهم من الائمة الأربعة حتى مالت اليه جماعة من العلماء طائفة من الفضلاء وتحفل لمولد النبی ﷺ فی الربيع الاول من كل

سنة وهو أول من احدث وروّج هنا العمل . " أ هـ كذا في غاية الكلام .

''اب جبکہ بدعت کے معنی معلوم ہو گئے تو جان لو کہ کئی شہروں اور ممالک میں من جملہ قابل مذمت بدعتوں کے ایک بدعت میلاد النبی کی مجلس منعقد کرنے کی بھی پھیلی ہوئی ہے، (اللہ آپ ﷺ اور آپ کے بزرگ صحابہ پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے)۔ یہ بدعت اس لیے ہے کہ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، کتاب و سنت سے اس کا ثابت نہ ہونا تو ظاہر ہے اور جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو صرف مجتہدین حضرات کا قیاس معتبر ہے جو اصول فقہ میں مذکور شرائط کے مطابق ہو اور کسی بھی مجتہد نے اسے جائز نہیں لکھا۔ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صرف مجتہدین کا اجماع ہی معتبر ہے اور جبکہ کسی ایک مجتہد نے بھی اُسے جائز قرار نہیں دیا تو پھر تمام مجتہدین کا اسے مباح اور مستحسن سمجھنا کیسے تصور میں آ سکتا ہے؟ اور اجماع میں کسی بنیاد کا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر ایک مجتہد بھی مخالف ہو تو اس کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو کہ اکثریت کے مخالف ہونے کی ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں دیکھا جائے تو سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں ہے اور علماء کی ایک کثیر تعداد نے اُسے اچھا نہیں سمجھا ہے۔

مالکیہ میں سے ابن الحاج لکھتے ہیں: من جملہ ان بدعات کے جو لوگوں نے ایجاد کی ہیں میلاد کی بدعت ہے جسے ربیع الاول کے مہینا میں منایا جاتا ہے اور یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ یہ عبادتوں میں سے بڑی عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے، حالانکہ یہ رسم بدعات اور محرمات سے بھری ہوئی ہے۔

حنفیہ میں سے عبدالرحمٰن مغربی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ میلاد کا منانا بدعت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اور نہ ہی خلفاء وائمہ نے اسے منایا یا اس کو جائز ٹھہرایا۔

شافعیہ میں سے امام نصر الدین الاودی سے میلاد النبی منانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہ منایا جائے، کیونکہ سلف صالحین سے ایسا منقول نہیں ہوا بلکہ اسے پہلے تین قرون (زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین) کے بعد والے زمانہ میں ایجاد کیا گیا اور ہم ان چیزوں میں خلف (بعد میں آنے والے لوگ) کی پیروی نہیں کرتے جنہیں سلف نے چھوڑ دیا ہو کیونکہ اُن کی اتباع کافی ہے تو پھر ابتداع (بدعت پیدا کرنا) کی کیا ضرورت ہے؟ ایسی ہی بات ابن الفضل سے بھی منقول ہے۔

احمد بن حسن نے اپنے ملفوظات میں کہا ہے کہ یہ عمل سلف سے منقول نہیں ہوا۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح وہی چیز کرے گی کہ جس نے اُس کے پہلے حصہ کی کی تھی۔ [1] یہ قول ابن النقطہ سے نقل کیا گیا۔ اور اس عمل کو ان لوگوں نے ایجاد کیا جو اپنی خواہشات کے پیروکار تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ شارع نے کس بات کا حکم دیا ہے اور کس سے روکا ہے؟ یہ قول ابن قاضی الجبل سے منقول ہے۔

تاریخ میں مروی ہے کہ اربل کا حاکم، الملک المظفر ابوسعید کوکبری، بہت ہی فضول خرچ بادشاہ تھا۔ اپنے زمانہ کے علماء کو حکم دیتا تھا کہ اپنے اپنے استنباطات اور اجتہادات پر چلیں اور ائمہ اربعہ کے مذاہب کا تتبع نہ کریں۔ [2] یہاں تک کہ علماء و فضلاء کی ایک جماعت اُس کی ہم نوا ہوگئی اور ہر سال ربیع الاول کے مہینا

---

[1] یہ قول امام مالک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ آنحضور ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

[2] ائمہ اربعہ چونکہ میلاد کو جائز نہیں سمجھتے اس لیے وہ اُن کے اقوال کے تتبع سے منع کرتا تھا۔ یہ واضح رہے کہ دین میں حجت اللہ کا قول ہے یا رسول اللہ ﷺ کا، اگر ان دونوں مصادر میں کوئی بات نہ ملے تو پھر صحابہ کے قول کو لیا جائے گا۔ صحابہ میں بھی اگر کہیں تعارض واقع ہوجائے تو اُسی قول کو ترجیح دی جائے گی جس کی تائید آیات و احادیث سے ہورہی ہو۔ ائمہ کے اقوال کے بارے میں میں خود ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اُسی وقت قابل حجت ہوں گے جب آیات، احادیث یا اقوالِ صحابہ سے اُن کی تائید ہورہی ہو۔

میں میلاد النبی منایا جانے لگا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اس چیز کو ایجاد کیا اور رائج کیا۔'' (غایۃ الکلام میں ایسا ہی مرقوم ہے)

خیرۃ السالکین میں مرقوم ہے:

''جس چیز کو مولود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دراصل بدعت ہے نہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا، نہ خلفاء نے، نہ ائمہ نے اور خود اس پر عمل کیا۔''

اور امام ابن القیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

"ولا يخص المكان الذی ابتدئ فيه بالوحی ولا الزمان بشئ ومن خص الأمكنة والأزمنة من عنده بعبادات لأجل هذا او امثاله كان من جنس اهل الكتاب الذين جعلوا زمان أحوال المسيح مواسم واعيادا كيوم الميلاد ويوم التعميد وغير ذالك من أحواله وقد رأى عمر بن الخطاب جماعة يأتون مكانا يصلون فيه فقال ما هذا فقالوا مكان صلّى فيه رسول الله ﷺ فقال أتريدون أن تتخذوا آثار انبياء كم مساجد انما هلك من كان قبلكم بهٰذا فمن أدركته فيه الصلاة فليصل وإلا فليمض."

''وہ جگہ اور وقت جہاں اور جب وحی کا آغاز ہوا اُسے عبادت کے لیے مخصوص نہ ٹھہرائے، جس نے کسی جگہ یا زمانہ کو کسی عبادت کے لیے مخصوص ٹھہرایا تو وہ جنس اہل کتاب میں سے ہے جنہوں نے مسیح علیہ السلام کے مختلف احوال جیسے یوم پیدائش اور یوم بپتسمہ کو عید اور تہوار میں بدل دیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک جگہ نماز کے لیے آ رہے تھے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی اور پھر کہا کہ کیا تم اپنے انبیاء کے آثار کو مسجدوں میں تبدیل کرنا چاہتے

ہو۔ تم سے پہلے لوگ اسی بنا پر ہلاک ہوئے تو پھر جو شخص بوقت نماز یہاں پہنچے تو نماز ادا کرلے وگرنہ اپنی راہ لے۔“

❀❀❀❀

اب قیام کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ تعظیم و تکریم کے لیے قیام کرنا جیسا کہ اہل مولود کرتے ہیں مذموم و مکروہ ہے۔ احادیث اور اقوالِ علماء اُس کی مذمت پر شاہد ہیں۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((قال لم: یکن شخص احب الیھم من رسول الله وکانوا إذا راوه لم یقوموا بما یعلمون من کراهته لذالك.)) ❶

”صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا اور اُن کا یہ حال تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھتے تھے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں ہے۔“

اور ابوداؤد میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((قال خرج رسول الله ﷺ متكئا علی عصا فقمنا له فقال لا تقوموا کما یقوم الاعاجم تعظیم بعضهم بعضا.)) ❷

”ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور لاٹھی پہ سہارا لگائے ہوئے تھے۔ پس ہم آپ کے سبب سے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: مت کھڑے ہو جیسا کہ عجمی کھڑے ہوتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔“

ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

”ان اصحابه ما کانوا یقومون تعظیما له مع انه سید الخلق لما

---

❶ تحفة الأحوذی شرح ترمذی ۸: ۲۹۔ حدیث نمبر ۲۹۰۲.

❷ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ ۲۲۳، کتاب الأدب ۱۵۲، مسند احمد ٤: ۲۱۲، ٥: ۲۵۳، اس حدیث میں عجمیوں سے مراد غیر عرب لوگ ہیں جو ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

يعلمون من كراهته لذالك . "

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے تھے باوجود یہ کہ آپ سب کے سردار تھے کیونکہ وہ مانتے تھے کہ آپ کو یہ بات مکروہ اور ناپسند ہے۔"

شیخ عبدالحق لمعات میں لکھتے ہیں:

"وقد ادعى بعضهم ان الصيام للداخل سنة واحتجوا ما يجئ من قوله ﷺ قوموا إلى سيدكم يجئى جوابه أيضا وذهب بعضهم إلى انه مكروه منهي عنه لما ثبت من حديث انس مّن كراهية ﷺ قيام الصحابة وقال إنه من عادة الاعاجم . "

"اور بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ تعظیم کے لیے کھڑا ہونا داخل ہونے والے کے لیے سنت ہے اور دلیل آپ ﷺ کا قول ہے:"قوموا إلى سيدكم" یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو، اور اس کی وضاحت آگے بیان ہوگی اور بعض نے کہا کہ یہ مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ آپ ﷺ صحابہ کے قیام کے مکروہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ عجمیوں کی عادت ہے۔"

مؤلف رسالہ (انوار ساطعہ) سے جب ان دلائل کا جواب نہ ہو سکا تو بحالت مجبوری یہ لکھ دیا کہ حضرت نے خاص عجمیوں کی طرح سے کھڑا ہونا منع فرمایا ہے۔ مطلق قیام کو مکروہ نہیں فرمایا ہے۔

اور یہ بات دو وجہ سے غلط ہے:

اوّل یہ کہ اگر آپ کی غرض اس منع کرنے سے یہ ہوتی کہ صرف میرے لیے خاص عجمیوں کی طرح قیام نہ کرو اور یہ دوسری طرح قیام کرنے میں کچھ قباحت نہیں ہے تو آپ اس بات کی تشریح کر دیتے۔ مجمل نہ چھوڑتے۔ اس لیے یہ معلوم ہوا کہ قیام تعظیمی میں عجمیوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اگرچہ بعض امور میں کیوں نہ ہو۔

دوم مؤلف کا استدلال اس وقت درست ہوگا جب یہ ثابت ہو کہ صحابہ عجمیوں کی طرح قیام کرتے تھے اور پھر آپ ﷺ نے اُن کو اس طرح قیام کرتے ہوئے دیکھا تو منع فرمایا۔ حالانکہ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابہ بعینہٖ عجمیوں کی طرح قیام کرتے تھے۔ اور یہ جو مؤلف نے لکھا ہے کہ آن حضرت ﷺ حضرت حسان کے لیے منبر رکھتے تھے اور حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مدح بیان کرتے تھے تو یہ استدلال بے محل ہے۔ وہ اس لیے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ مشرکوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی بڑائی اور کفار کی ہجو اور مذمت بیان کرتے تھے کیونکہ مشرکین اللہ اور رسول کی ہجو کرتے تھے۔ پس یہ قیام اس قسم کا ہے جیسا کہ ایک واعظ وعظ کرتے وقت کرتا ہے۔ یہ قیام تعظیمی نہیں ہے۔ اگر قیام تعظیمی ہوتا تو حضرت حسان کے علاوہ دوسرے صحابہ جو صرف سامعین تھے ضرور قیام کرتے، کیا وجہ تھی کہ صرف حضرت حسان اکیلے تعظیم کرتے اور باقی سب محروم رہے؟

باقی رہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قیام تو یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے یہ محض مؤلف کا افترا ہے۔

اب مؤلف کے باقی دلائل کا حال سنیے:

دلیل اوّل:...... قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کیا۔''

چونکہ میلاد کی محفل سے اللہ کے رسول کا ذکر خوب بلند ہوتا ہے، بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو کر درود شریف باآواز بلند پڑھتے ہیں اور آپ کی ولادت اور حلیہ کا ذکر کرتے ہیں، اس لیے ایسی محفل میلاد آیت کریمہ کا مصداق ہوگئی۔''

آپ ناظرین اس دلیل کو ملاحظہ فرمائیں اور مؤلف کے فہم و فراست کا خود ہی اندازہ لگالیں۔ یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص داڑھی مونڈتا تھا، جب اس سے وجہ پوچھی جاتی تو آیت ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پڑھ دیتا تھا۔

یارو میرے مجنون کو کوئی چرخ پر ڈھونڈو
شیریں کی یہ فریاد تھی کلکتہ میں سب سے

اس قسم کا استدلال ہر کوئی اپنے مذہب کے لیے کرسکتا ہے۔

ب اس دلیل کا علمی جواب ملاحظہ فرمایئے:

اول یہ بات کہ جہر (بآواز بلند ذکر کرنا) انہی اذکار میں مشروع ہے جو حدیث سے ثابت ہیں اور جہاں جہر ثابت نہیں ہے وہاں پر علماء اور خصوصاً فقہائے احناف اُسے مکروہ لکھتے ہیں۔

عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

"قال ابن بطال: اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالتكبير والذكر حاشا ابن حزم."

''ابن بطال کہتے ہیں، سب اہل مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ تکبیر اور ذکر میں آواز بلند کرنا مستحب نہیں ہے مگر ابن حزم اس میں مخالف ہیں۔''

ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"الاصل في الاذكار الإخفاء والجهر بهما بدعة."

''ذکر میں اصل یہی ہے کہ آہستہ پڑھا جائے اور پکار کر پڑھنا بدعت ہے۔''

اور دُرّ مختار میں مذکور ہے:

"إن رفع الصوت بالذكر بدعة فيقتصر على مورد الشرع."

''ذکر میں آواز بلند کرنا بدعت ہے۔ جہاں ثابت ہو اُسی جگہ کرنا چاہیے۔''

دوم یہ کہ اذکار و عبادات توقیفی ہیں۔ [1] اس لیے شارع کے بیان کے بغیر کسی وقت یا ہیئت سے خاص کرنا جائز نہیں جیسا کہ اول بیان ہو چکا۔

---

[1] توقیفی سے مراد ہے کہ وہ اللہ یا اللہ کے رسول کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور اُس میں رائے یا عقل کا دخل نہیں ہے۔

بخاری اور مسلم میں حفص بن عاصم سے روایت ہے:

((قال كنت مع ابن عمر في سفر فصلى بنا ركعتين ثم انصرف ؟ على خشية رحله فرأى ناسا قياما فقال لي ما يصنع هولاء، قال قلت يسبحون قال لو كنت مسبحا لا تممت صلاتي يا ابن اخي صحبت رسول الله ﷺ لم يزد على ركعتين ثم قال: لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة.))[1]

''کہا: میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سفر میں تھا۔ پس ہمارے ساتھ انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وہاں سے پلٹے اور اپنے کجاوہ کی لکڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے چند لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھ سے پوچھا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: نفل پڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے کہا: اگر مجھے نفل ہی پڑھنا ہوتے تو میں اپنی نماز پوری پڑھتا۔ اے بھتیجے! میں رسول اللہ کے ہمراہ رہا ہوں آپ نے کبھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی۔ پھر آپ نے آیت پڑھی (جس کا مطلب ہے) کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔''

اور محیط میں مذکور ہے:

"قراءة الكافرون إلى الآخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل عن الصحابة والتابعين."

''جمع ہو کر سورۂ کافرون سے آخر قرآن تک پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور صحابہ اور تابعین سے ایسا منقول نہیں ہے۔''

چند اقوال فقہاء اس سلسلہ میں پہلے درج ہو چکے ہیں۔

دلیل دوم: حرمین شریفین میں اس کا رواج ہے۔

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري ٢: ٥٧٧، مسلم ٥: ١٩٧-١٩٨.

جواب: حرمین شریفین کا عمل قرون ثلاثہ کے وقت حجت تھا۔ اس زمانہ میں ہرگز حجت نہیں ہوسکتا۔

عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کہ "ان الایمان لیأرز إلی المدینة کما تازر الحیة إلی حجرها." یعنی ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹتا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف۔ ❶ کے تحت لکھتے ہیں:

"قال الداوٗدی: کان هذا فی حیاة النبی ﷺ والقرن الذی کان فیهم والذین یلونهم خاصة لانه کان الامر مستقیما."

"داوٗدی نے کہا: یہ فضیلت رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں تھی کیونکہ اُس وقت دین کا حال اچھا تھا۔"

"وقال القرطبی: وفیه تنبیه علی صحة مذهبهم وسلامتهم من البدع وإن عملهم حجة کما رواه مالك، قلت هذا إنما کان فی زمن النبي ﷺ والخلفاء الراشدین إلی انقضاء القرون الثلاثة وهی تسعون سنة وأما بعد فقد تغیرت الاحوال وکثرت البدع خصوصا فی زماننا هذا علی ما لا یخفی."

"قرطبی نے کہا: اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اہل مدینہ کا مذہب صحیح ہے اور بدعت سے خالی ہے اور بروایت امام مالک اُن کا عمل حجت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات خاص رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھی، یہاں تک کہ قرون ثلاثہ گزر گئے کہ جن کی مدت نوے سال بنتی ہے۔ اس دور کے بعد حالات بدل گئے اور بدعتیں پھیل گئیں اور خاص طور پر ہمارے زمانہ میں، جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں۔"

---

❶ بخاری (مدینه: ٦)، ترمذی (ایمان: ١٣)، ابن ماجه (مناسك: ١٠٤)، مسلم (ایمان: ٢٣٣)، مسند احمد ١: ١٨٤ اور ٢: ٣٨٦-٤٢٢.

اور ملا علی قاری ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں:

"ولو ادرك الاولون ما انتهى اليه الآخرون كما عليه اهل زماننا الغافلون لحكموا بحرمة المجاورة فى الحرمين الشريفين من شيوع الظلم وكثرة الجهل وقلة العلم وظهور المنكرات وفشو البدع والسيئات واكل الحرام والشبهات."

''اگر اگلے لوگ پچھلوں کا حال دیکھتے، جیسا کہ ہمارے زمانہ کے غافلوں کا حال ہے تو بلاشک وہ حرمین کے مجاور بننے کو بھی حرام کہتے کیونکہ ظلم اور جہالت، کم علمی، منکرات، بدعات، بدی اور حرام ومشتبہ کا کھانا کثرت سے جاری ہے۔''

دلیل سوم: حدیث میں آیا ہے:

((ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن.)) [1]

''یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔''

جواب: اس حدیث سے استدلال فاسد ہے۔ اس لیے کہ حدیث کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مسلمین'' سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوری حدیث جو کہ بروایت احمد، بزار وطبرانی اس طرح مروی ہے:

((إن الله تعالى نظر فى قلوب العباد فاختار له اصحابا جعله انصار دينه ووزراء نبيه فما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما راه المسلمون قبيحا فهو عند الله قبيح.)) [2]

''اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور پھر اللہ کے رسول کے لیے صحابہ کا

---

[1] امام احمد نے اس روایت کو کتاب السنہ میں ذکر کیا ہے اور اُسے موقوف بدرجہ حسن قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بزار، طیالسی، طبرانی، ابونعیم اور امام بیہقی نے اعتقاد کے ضمن میں اسے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ الحافظ ابن عبد الہادی لکھتے ہیں: یہ روایت حضرت انس کے واسطہ سے مرفوع بتائی گئی ہے لیکن اس کی اسناد ساقط (بیکار) ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے۔

[2] كشف الخفا ٢ : ١٨٨.

اختیار کیا اور اُنہیں اپنے دین کا مددگار بنایا اور اپنے نبی کا وزیر ٹھہرایا۔ پس جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔"

دوسری حدیث جو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے:

((من كان مستنا فليستن بمن قدمات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة ، اولئك اصحاب محمد كانوا افضل هذه الامة وابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا اختارهم الله بصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا بهم فضلهم واتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فإنهم على الهدى المستقيم."

"جو کوئی پیروی کرنے والا ہو تو وہ ان لوگوں کی پیروی کرے جو گزر چکے ہیں کیونکہ جو زندہ ہے وہ فتنہ سے نہیں بچ سکتا۔ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں وہ امت کے افضل ترین لوگ تھے، ان کے دل سب سے زیادہ نیک، علم کے لحاظ سے سب سے زیادہ گہرائی رکھنے والے اور بناوٹ میں سب سے کم تھے۔ اللہ نے اُنہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے پسند کرلیا تھا، پس اُن کی بزرگی کو پہچانو، اُن کے قدم بقدم چلو اور جہاں تک ہوسکے اُن کے اخلاق اور سیرت پر چلو کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔"

اور اگر یہ کہا جائے کہ "مسلمین" سے مراد صرف صحابہ ہی نہیں ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مجتہدین ہیں کیونکہ جو مجتہد نہیں ہے وہ عوام میں داخل نہیں ہے۔

مجالس الابرار میں مذکور ہے:

"من ليس من أهل الإجتهاد من الزهاد والعباد فهو في حكم

العوام لا يعتد بصلامه إلا ان يكون موافقا للاصول والكتب المعتبرة ."

”زاہدوں اور عبادت گزاروں میں سے جو اہل اجتہاد میں سے نہیں تو وہ عوام میں شمار ہوگا اور اُس کی بات کا اعتبار اُسی وقت ہوگا جب وہ معتبر کتابوں اور اصول (شریعت) کے مطابق ہو۔“

اور اس حدیث کہ ”اتبعوا السواد الأعظم“ سواداعظم کی پیروی کرو۔ ❶ سے بھی استدلال درست نہیں، اس لیے کہ سوادِ اعظم وہی ہے جو حق پر ہو اور دلیل و برہان رکھتا ہو، اگرچہ تعداد میں کم ہو کیونکہ حق و باطل کا مدار کثرت اور قلت پر نہیں ہے۔ حق، چاہے اُس کے قائل قلیل کیوں نہ ہوں حق ہی رہتا ہے اور باطل چاہے اُس کے ناقل زیادہ کیوں نہ ہوں باطل ہی رہتا ہے اور اہل حق کا تعداد میں کم ہونا ہمیشہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (السبا : ١٣)

”تیرے بندوں میں شکر کرنے والے تھوڑے ہیں۔“

اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”الخير كثير ومن يعمل به قليل .“ ❷

”نیکی بہت ہے اور اُس پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں۔“

امام خفاجی کہتے ہیں:

يقولون لی قدقل تبعة احمد
وكل قليل فی الأنام خليل

---

❶ مستدرك حاكم : ١ : ١١٥ .

❷ مجمع الزوائد ١ : ١٢٥ ، السنة لابن ابی عاصم ١ : ٢٢ ، کنز العمال حدیث نمبر ٤٣٠٦٦ ، کشف الخفاء ١ : ٤٤٧ .

فقلت لهم مهلا غلطتم بزعمكم
ألم تعلموا أن الكرام قليل ❶

دلیل چہارم: محفل مولود میں جس قدر امور کیے جاتے ہیں اگر ان کا فرداً فرداً اختیار کیا جائے تو سب مشروع معلوم ہوتے ہیں کیونکہ لوگوں کا جمع کرنا اور سب کو شیرینی تقسیم کرنا اور قصہ ولادت کو پڑھنا بلاشبہ جائز ہے، اس لیے ان سب کا مجموعہ ضرور مشروع ہوگا، کیونکہ مجموعہ اُنہی اجزاء کا نام ہے جو کہ مشروع ہیں۔

جواب: اول تو ہر چیز کا مشروع ہونا مسلم نہیں ہے، اس لیے کہ لوگوں کا جمع ہونا کسی عبادت کے لیے اُسی طریق سے مشروع ہے جو کہ شرعاً ثابت ہو اور جو ثابت نہیں وہ بلاشک مذموم ہے۔ اسی وجہ سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اُن لوگوں کو جو کہ مسجد میں جمع ہو کر تسبیح و تہلیل کرتے تھے منع فرمایا اور گمراہی کی طرف منسوب کیا اور ایسے ہی ذکر کرنا بھی مطلق مشروع نہیں ہے، جیسا کہ ہم اوّل بیان کر چکے ہیں۔

ابن السمعانی مجمع البحرین میں روایت کرتے ہیں:

"ان رجلا یوم العید فی الجبانة أراد أن یصلی قبل صلاة العید فنهاه علي فقال الرجل یا امیر المؤمنین إنی أعلم ان الله تعالیٰ لا یعذب علی الصلاة. فقال علي: وإني اعلم أن الله تعالی لا یثیب علی فعل حتی یفعله رسول الله ﷺ او یحث علیه فیکون صلاتك عبثا والعبث حرام فلعله تعالیٰ یعذبك به بمخالفتك لنبیه."

"ایک شخص نے ارادہ کیا کہ نماز عید سے پہلے نفل پڑھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کیا تو وہ کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

---

❶ وہ لوگ کہتے ہیں کہ امام احمد کے ماننے والے بہت تھوڑے ہیں حالانکہ مخلوق میں ہر قلیل مانند خلیل ہے (یعنی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم میں واحد ایمان والے تھے لیکن اللہ کے دوست ہوئے) تو میں نے اُن سے کہا کہ ذرا ٹھہرو! تم لوگ اپنے گمان میں غلطی پر ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شریف لوگ ہمیشہ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔

نماز پر عذاب نہیں دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا: اور میں بھی خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہیں دیتا جب تک کہ وہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ کیا ہو یا اُس پر اُبھارا نہ ہو، اس لیے تمہاری یہ نماز لغو اور بے کار ہوگئی اور لغو کام حرام ہوتا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس لیے عذاب دے کہ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے۔''

دوم: مجموعہ میں اجزاء کی کل کیفیات کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ مجموعہ میں ایسی کیفیت پیدا ہوجائے جو کہ ہر جز میں نہ ہو۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں:

"ربما يكون مع الإجتماع ما لا يكون مع الإنفراد كقوة الحبل المؤلف من الشعرات."

''مجموعہ میں وہ چیز ہوسکتی ہے جو کہ انفرادی طور پر نہیں پائی جاتی، جیسے کہ بالوں سے بنی ہوئی رسی بہت مضبوط ہوجاتی ہے۔''

مؤلف نے شرح مواہب اور طبرانی وغیرہ سے جو روایت نقل کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے مجمع میں آپ سے اجازت لے کر حال ولادت بیان کیا اور ایک قصیدہ اسی ذکر میں پڑھ کر سنایا، تو اوّل تو یہ روایت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے اور نہ ہی اس قابل ہے کہ دلیل بن سکے۔ مؤلف کا عجیب حال ہے کہ جو حدیث اپنے مطلب کے خلاف دیکھتا ہے، خواہ وہ درجہ حسن کو پہنچی ہوئی ہو تب بھی اُسے مجروح (ناقابل اعتبار) ٹھہرا دیتا ہے اور جو موافق ہو، خواہ کیسی ہی ضعیف اور کمزور ہو، تب بھی اُس سے استدلال کرلیتا ہے۔ اگر اُسے صحیح بھی سمجھا جائے تب بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ ہے کہ قصہ ولادت وغیرہ کے بیان کے لیے مجلس مقرر کرنا اور اسی غرض سے لوگوں کو اکٹھا کرنا صحیح ہے، لیکن یہ بات حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس غرض سے لوگوں کو جمع نہیں کیا تھا بلکہ وہ اتفاقیہ وہاں پر جمع تھے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر اتفاقیہ چند

آدمی کہیں جمع ہوں اوران میں سے کوئی شخص تفریح اور خوش بیانی کی خاطر قصہ ولادت وغیرہ بیان کرے تو کیا قباحت ہے۔ اصل گفتگو اس امر میں ہورہی ہے کہ ایسے بیان کے لیے تاریخ معین کرنا اور لوگوں کو بلانا اور دیگر تکلّفات کا اہتمام کرنا مشروع ہے یا نہیں اور یہ مشروعیت ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی بدعتی قیامت تک اسے ثابت کر سکے گا۔

اور یہ جو مؤلف نے لکھا ہے کہ اس محفل کی اصل اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر ہے اور مطلق ذکر بلاشبہ مشروع ہے اور اس کے ساتھ جو قیود اور دوسری باتیں کی جاتی ہیں اُن سے اصل حکم باطل نہیں ہوتا تو یہ استدلال بالکل پوچ اور لچر ہے، اس لیے کہ ہم پہلے ہی احادیث اور کلامِ فقہاء سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ذکر رسول اللہ ﷺ اُسی طریق سے مشروع ہے کہ جس طرح سے وہ شریعت سے ثابت ہے اور جہاں کہیں اپنی جانب سے تاریخ کی تعیین ہو یا دنوں میں سے کسی دن کو خاص کیا گیا ہو تو وہ مشروع نہیں ہے۔

البحر الرائق میں مذکور ہے:

”ولان ذكر الله إذا قصد به التخصيص بشيئ دون شيئ او وقت دون وقت لم يكن مشروعا ما لم يرد الشرع به .“

”اور اس لیے کہ اگر اللہ کا ذکر کسی خاص چیز سے وابستہ کردیا جائے یا سارے اوقات میں سے کسی ایک وقت کے ساتھ خاص کردیا جائے تو وہ جائز نہ ہوگا جب تک کہ شریعت میں اُس کا جواز ثابت نہ ہو۔“

جو مثال اُنھوں نے بیان کی ہے وہ مخالف پر حجت نہیں بن سکتی۔ ہاں! اگر شرعی دلیل ہوتی تو البتہ حجت قائم ہوسکتی تھی۔ اہل بدعت پر بڑا افسوس آتا ہے کہ جس قدر اذکار اوراد مشروع ہیں اُن کو اپنے لیے کافی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی خواہشات کے مطابق نئی نئی باتیں اختیار کرتے ہیں، حالانکہ سنت پر عمل کرنا بدعت حسنہ کے بھی رواج دینے سے افضل اور بہتر ہے۔ [1]

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ مؤلف نے بدعت حسنہ کو انہی معنوں میں مراد لیا ہے جس کی وضاحت، اس مضمون کی قسط نمبر ۵ میں علامہ آفندی کے قول کے تحت بیان ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما احدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة فالتمسك بسنة خير من إحداث بدعة .)) ❶

”جب بھی کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اُس کے برابر سنت اُن سے اٹھالی جاتی ہے، اس لیے سنت پر عمل کرنا بدعت کے نکالنے سے بہتر ہے۔“

ملا علی قاری اس حدیث کے تحت مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

”فالتمسك بسنته صغيرة كانت أو قليلة كإحياء آداب الخلاء مثلا على ما ورد من السنة خير من إحداث بدعة حسنة .“

”سنت پر عمل کرنا، خواہ وہ صغیر ہو یا قلیل ہو، جیسا کہ پاخانہ اور پیشاب کے آداب کو سنت کے موافق رواج دینا بدعت حسنہ کے رواج دینے سے بہتر ہے۔“

دلیل پنجم: یہ دلیل اس امر کی ہے کہ محفل میلاد ہر سال کی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشوراء (محرم کی دس تاریخ) کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: کیوں رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو بچالیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر روزہ رکھا، اسی لیے ہم بھی بطور شکر روزہ رکھتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نحن أحقّ وأولى بموسى منكم .)) ❷

”ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں۔“

دلیل یہ ہے کہ جب اس نعمت کا شکر یہ اب تک جاری ہے تو رسول اللہ ﷺ کی

---

❶ امام احمد نے یہ روایت غضیف بن الحارث سے نقل کی ہے۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بحوالہ ضعیف الجامع الصغیر حدیث نمبر ٤٩٨٥ .

❷ یہ روایت بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں مروی ہے۔

ولادت کا جو کہ نعمت عظمیٰ ہے، ضرور شکریہ ادا کرنا چاہیے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کا عاشوراء کا روزہ رکھنا موسیٰ علیہ السلام کی موافقت میں تھا، جیسا کہ آپ نے فرمایا: "نحن اولی بموسیٰ منکم" (ہم بہ نسبت تمہارے موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں) یہ نہیں کہ اس نعمت کے شکریہ کے لیے آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، جیسا کہ ابن حجر نے سمجھا۔ اگر حدیث میں یہ فقرہ نہ ہوتا تو البتہ استدلال کی گنجائش تھی اور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ سابق انبیاء علیہم السلام کا اتباع کریں۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (المائدہ: ۹۰)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اُن کی ہدایت کی پیروی کیجئے۔"

علاوہ اس کے آپ کی ولادت باسعادت کا شکریہ اسی میں ہے کہ آپ کی سنت اور طریقے کا اتباع کیا جائے اور اس پر جان نثار کردی جائے۔

اب کسی قدر حال ابوالخطاب ابن دحیہ کا جو کہ اس عمل کا موجد اور مصنف تھا۔ بیان کیا جاتا ہے۔

ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں لکھتے ہیں:

"عمر بن الحسن ابوالخطاب ابن دحیہ الاندلسی، محدث ہیں، لیکن اپنی روایت میں متہم (تہمت زدہ) ہیں۔"

اور پھر لکھتے ہیں:

حافظ ضیاء نے کہا کہ مجھے اس کا حال اچھا نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ ائمہ پر بہت طعن کیا کرتا تھا اور مجھے ابراہیم سنہوری نے خبر دی کہ مغرب (یعنی مراکش اور اندلس وغیرہ) کے مشائخ نے اُسے مجروح اور ضعیف لکھا ہے اور پھر حافظ ابوالحسین ابن مفضل کا یہ قول نقل کیا ہے:

"مذہباً ظاہری تھا، ائمہ اور علماء سلف پر بہت طعن کرتا تھا، بدزبان احمق اور متکبر تھا اور دین کے کاموں میں بہت سستی کرتا تھا۔"

پھر ابن نقطہ کا یہ قول نقل کیا:

''ابن دحیہ معرفت اور فضل والا تھا، مگر اُس میں یہ عیب تھا کہ ایسی باتوں کا دعویٰ کرتا تھا جن کی حقیقت کچھ نہ ہوتی تھی۔''

ابوالقاسم ابن عبدالسلام کہتے ہیں:

''ابن دحیہ ہمارے پاس آ کر ٹھہرا اور دعویٰ کرنے لگا کہ میں صحیح مسلم اور ترمذی کا حافظ ہوں۔ پس میں نے پانچ حدیثیں ترمذی سے اور پانچ موضوع احادیث (بناوٹی حدیثیں) لے کر ایک جگہ جمع کیں۔ ایک حدیث ترمذی کی اُس کے سامنے پیش کی تو کہنے لگا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ جب دوسری حدیث پیش کی تو کہا کہ میں اسے نہیں جانتا ہوں اور اُن احادیث میں سے کسی ایک کو بھی صحیح طور پر شناخت نہ کر پایا۔''

ابن النجار کہتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ سب لوگ ابن دحیہ کے جھوٹے اور ضعیف ہونے پر اتفاق رکھتے تھے کہ جس بات کو اس نے نہیں سنا ہوتا کہہ دیتا کہ میں نے سنی ہے اور جس سے ملاقات نہیں ہوئی کہہ دیتا کہ ملاقات ہوئی ہے اور یہ ساری علامات (یعنی جھوٹ اور غلط بیانی کی) اُس پر ظاہر تھیں۔''

شیخ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی ہیں، واضعین حدیث (یعنی بناوٹی حدیثیں بنانے والوں) کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ایک قسم حدیث کے بنانے والوں کی یہ ہے کہ وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں۔ جب دلیل نہیں ملتی تو ناچار حدیث بناتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ابن دحیہ بھی ایسا کرتا تھا اور اسی نے نماز مغرب قصر کرنے کے بارے میں بھی حدیث بنائی ہے۔''

ابن دحیہ کا تفصیلی حال مذکورہ کتاب (یعنی لسان المیزان) اور تاریخ ابن خلکان میں

مذکور ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو صیغہ نداء کے ساتھ مخاطب کرنے پر مؤلف نے دو دلیلیں بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ تشہد میں "السلام علیك ایها النبی" پڑھا جاتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرنا شرک ہے تو لازم آتا ہے کہ سب مسلمان مشرک شمار ہیں۔

اس کا جواب دو طریق سے ہے:

اول یہ کہ بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"علمني النبي ﷺ وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا إله إلا الله وأشهد ان محمدا عبده ورسوله، وهو بين ظهرانينا فلما قبض قلنا السلام على النبي." [1]

"نبی کریم ﷺ نے مجھے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ اُن کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا تشہد سکھایا، بالکل ایسے جیسے کہ وہ مجھے قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے (اس صیغہ میں تشہد میں السلام علیك ایها النبی وارد ہے) یہ اس وقت تھا کہ جب آپ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے، جب آپ کا انتقال ہوگیا تو ہم نے (السلام علی النبی) (یعنی صیغہ غائب کے ساتھ) کہنا

---

[1] بخاری، مسلم، نسائی، ابوداود، ترمذی۔ "السلام علیك ایها النبی" سے نماز میں آنحضور ﷺ کو خطاب کرنا یا سنانا مقصود نہیں ہے کیونکہ خود آنحضور ﷺ کی موجودگی میں تمام صحابہ جو نماز میں شریک رہے ہوں، نہ آپ کو خطاب کرسکتے تھے کہ آپ سن سکیں اور نہ ہی آپ پر قریب ونزدیک کے خطاب کو سن سکتے تھے۔ اس لیے اس صیغہ خطاب سے صرف مخاطب کا خیال دل میں مستحضر ہونا مقصود ہوتا ہے جیسے ایک شخص خط لکھتے وقت مرسل الیہ کو "السلا علیکم" لکھتا ہے: اس لیے آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی تشہد میں "السلام علیك ایها النبی" پڑھنا بھی درست ہے۔

شروع کر دیا۔“

یہ عبد اللہ بن مسعود وہی صحابی ہیں جو کہ امام ابوحنیفہ کے دو واسطوں کے ساتھ استاد ہیں۔ اکثر امام صاحب اُنہی کی روایت اخذ کرتے ہیں۔

دوم: اگر پہلے صیغے کے مطابق بھی کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی طرح تعلیم دی تھی، پس ہم بھی آپ کی اس تعلیم کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ کہ ہم آنحضور ﷺ کو خطاب کرنے کی نیت سے یہ الفاظ ادا کرتے ہیں۔

شرح حصن حصین میں مذکور ہے:

”نحن نتتبع لفظ رسول الله ﷺ بعينه حين علم الحاضرين من الصحابة كيفية التسليم .“[1]

”ہم نبی کریم ﷺ کے انہی الفاظ کی پیروی کرتے ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام کی کیفیت بتانے کے لیے استعمال کیا تھا۔“

مؤلف کی اپنے مدعا پر دوسری دلیل:

وہ یہ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابین شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! میری آنکھوں کے لیے دعا کیجئے۔ آپ نے اس کو یہ دعا تعلیم فرمائی:

”اللهم إني اسالك واتوجه إليك نبيك محمد نبي الرحمة .“[2]

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد ﷺ جو کہ نبی رحمت ہیں کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں۔“

جواب اس کا یہ ہے کہ نابینے شخص نے حالت حیات میں آپ کو مخاطب کیا تھا اور اس

---

[1] شرح حصن حصین کی عبارت سے بھی متذکرہ بالا بات کی تائید ہوتی ہے، گویا ہم صرف اُس کلام کی نقل کر رہے ہیں جو آنحضور ﷺ نے سکھایا تھا۔

[2] ترمذي، ابن ماجه، وعمل اليوم والليه لابن السني.

میں کسی کو کلام نہیں ہے اور بعد وفات کے ایسی دعا ثابت نہیں ہے۔ اگر ثبوت تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا جواب بھی وہی ہے۔ یعنی حالت حیات میں آپ نے اس طرح تعلیم فرمایا تھا۔ پس بعد وفات کے اسی کے مطابق عمل کیا گیا اور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ مدینہ میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو باہر لے گئے اور جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ جب تیرا نبی محمد ﷺ زندہ تھے تو ہم اُن کا وسیلہ اور ذریعہ پکڑتے تھے، اب اُن کا انتقال ہوگیا تو ہم اُن کے چچا عباس کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ ❶

یہ حدیث بھی ہمارے مطلب کی تائید کرتی ہے اور جو شعر مؤلف نے نقل کیے ہیں کہ وہ مخالف پر حجت نہیں ہوسکتے، اس لیے کہ شعراء کا مدار اکثر تخیلات وتوہمات پر ہوتا ہے اور امور وہمیہ کو محسوسہ تصور کیا جاتا ہے اور یہ جو مؤلف نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں زندہ

---

❶ اس حدیث میں "أتوجه إليك بنبيك" کہ میں تیرے نبی کے ذریعہ میری طرف متوجہ ہوتا ہوں، کے دو معنی مراد ہوسکتے ہیں:

(۱)...... ذات نبی مراد ہو۔ (۲)...... دعائے نبی مراد ہو۔

پہلا معنی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر یہاں ذات نبی کا وسیلہ مراد ہوتا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس نماز استسقاء کروانے کے لیے نہ آتے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ذات کا وسیلہ تو آپ کی زندگی اور وفات کے بعد دونوں طرح ممکن ہوسکتا تھا۔

دوسرے یہ کہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد نابینا حضرات کی کمی نہیں رہی ہے، اگر ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو یقیناً ہر دور کے نابینے اس وسیلہ کی برکت سے بینا ہوجائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں دوسرا معنی ہی مراد ہے اور وہ ہے آپ کی دعا کا وسیلہ، خود حدیث کے باقی الفاظ بھی، اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ جس وقت نابینے صحابی نے اپنی بینائی واپس لانے کی استدعا کی تھی تو آپ نے اُسے اختیار دیا تھا کہ وہ یا تو صبر کرے اور یا پھر وہ اس کے لیے دعا کریں، اس نے دعا کروانے پر اصرار کیا تو نبی کریم ﷺ نے یہ الفاظ سکھلائے اور دعا کے آخر میں یہ الفاظ ادا کرنے کو کہا: "اللهم شفعني فيه وشفعه فـ[illegible]" یعنی اے اللہ! میری شفاعت آنحضور ﷺ کے حق میں قبول فرما (میری دعا قبول کر کہ میرے حق میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت قبول ہو) اور اُن کو میرے لیے شفیع بنا، یعنی آنحضور ﷺ کی دعا میرے حق میں قبول فرما۔

ہیں جس طرح پر کہ وہ دنیا میں زندہ تھے اور موت صرف آپ کی انتقال مکانی ہے غلط محض ہے اور معقول ومنقول کے مخالف ہے، اس لیے کہ حضرت پر دنیا میں جہاد امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور نماز باجماعت واجب تھی اور حالانکہ اب یہ امور واجب نہیں ہیں اور دنیوی زندگی میں نسخ احکام ہوتا تھا اور اب نہیں ہوتا۔

محمد بن احمد بن عبدالہادی اپنی کتاب الصارم المنکی میں لکھتے ہیں:

"وفی الجملة ردّ الروح على الميت فی البرزخ وردّه السلام على من يسلم عليه لا يستلزم الحيٰوة التى يظنها بعض الغالين وان كانت نوع حياة برزخية وقول من زعم أنها نظير الحياة المعهودة مخالف للمنقول والمعقول ويلزم منه مفارقة الروح للرفيق الأعلى وحصولها تحت التراب قرنا بعد قرن والبدن في مدرك سميع بصير تحت اطباق التراب والحجارة ولوازم هذا باطلة مما لا يخفى على العقلاء وبهذا يعلم بطلان قوله (إلا ردّ الله علىَّ روحى) بان معناه (إلا وقد رد الله علىَّ روحى وإن ذالك الرد استمر واحياه الله قبل يوم النشور واقبره تحت التراب واللبن) فياليت شعرى هل فارقت روحه الكريمة الرفيق الاعلى واتخذت بيتا تحت الارض مع البدن ام فى الحال الواجد فى المكانين، وهذا التاويل المنقول عن البيهقى فى هذا الحديث قد تلقاه جماعة من المتاخرين والتزموا لاجل اعتقادهم له امورا ظاهرة البطلان. والله الموفق للصواب." [1]

---

[1] پوری روایت اس طرح ہے:
"ما من احد تسليم علىّ إلا ردّ الله علىّ روحى حتى أردّ عليه السلام."
(ابو داوٗد، بیہقی و مشکوٰۃ)

⇦⇦⇦

”برزخی زندگی میں میت کی روح کا لوٹائے جانے اور نبی کریم ﷺ کا سلام کا جواب سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایسے ہی زندہ ہیں جیسے بعض غلو پسند حضرات سمجھتے ہیں۔ ہاں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ زندگی برزخی زندگی ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ وہ زندگی ہماری دنیوی زندگی جیسی ہے تو یہ قول عقلاً اور نقلاً دونوں طرح غلط ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی روح جو کہ الرفیق الاعلیٰ کے پاس جا چکی ہے، اب وہاں سے پھر جدا ہو چکی ہے اور اب قرنہا قرن سے مٹی کے نیچے موجود ہے، آپ کا جسم زندہ ہے۔ چیزوں کا ادراک کرتا ہے اور سنتا اور دیکھتا ہے حالانکہ وہ منوں مٹی اور پتھر کے نیچے ہے، اور اسی طرح زندگی کے دوسرے لوازم بھی ماننا پڑیں گے۔

اور نبی کریم ﷺ کا یہ قول (کہ جب کبھی کوئی مجھ پر سلام کرتا ہے تو اللہ میری روح کے مجھ پر لوٹا دیتا ہے تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں) اور اس کا مطلب یوں لینا کہ یہ روح مسلسل لوٹا دی گئی ہے اور قیامت کے دن سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر رکھا ہے، لیکن مٹی اور پتھر کے نیچے رکھا ہوا ہے تو ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیا نبی کریم ﷺ کی روح نے الرفیق الاعلیٰ کو چھوڑ دینے کے بعد اپنے بدن کے ساتھ زمین کے نیچے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہے یا وہ دونوں جگہوں پر ہر وقت موجود رہتے ہیں؟

اس تاویل کو جو کہ بیہقی کی طرف منسوب ہے، متاخرین میں سے ایک جماعت نے قبول کیا ہے اور اس بنا پر بہت سی ایسی باتوں کے ماننے پر مجبور ہیں جو کہ بالکل لغو ہیں اور اللہ ہی صحیح بات کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔“

⇦⇦⇦ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی برزخی زندگی عام زندگی سے مختلف ہے، جب آپ کو سلام کیا جاتا ہے تو صحیح حدیث کے مطابق فرشتے اس سلام کو پہنچاتے ہیں اور جواب دینے کے لیے آپ کی روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے منکر نکیر کے سوال کے وقت ہر انسان کی روح اتنی لوٹائی جاتی ہے کہ وہ ان سوالات کے جوابات دے سکے نہ یہ کہ وہ نارمل زندگی کی طرح پورے حواس میں ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (الزمر: ۳۰)

"بے شک آپ مرنے والے ہیں اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کہا تھا:

"من كان يعبد محمدا فإن محمدا قدمات."

"جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں۔"

اور شہداء کی جو حیات ہے اُس کی کیفیت حدیث میں مذکور ہے اور وہ یہ کہ ان کی روحیں سبز جانوروں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔ جنت میں چرتی ہیں اور مزے لیتی ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی بات شارع نے بیان نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵٤)

"یعنی شہداء زندہ ہیں لیکن اُن کی زندگی کا حال تم نہیں سمجھ سکتے۔"

اور یہ جو مؤلف نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت کی توجہ ہر امتی کی طرف رہتی ہے، محض غلط اور بے اصل ہے۔ احادیث صحیحہ اس کی تکذیب کرتی ہیں۔ بیہقی "شعیب الایمان" میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"قال رسول الله ﷺ: من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على نائيا ابلغته." [1]

---

[1] یہ حدیث مؤلف کتاب نے بغیر تنقید کے درج کردی ہے۔ گو بیہقی نے اُسے شعب الایمان میں روایت نقل کیا ہے اور مشکاۃ کی فصل ثالث میں بھی اس کا ذکر ہے۔ لیکن یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند کے تین راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔

پہلے راوی علاء بن عمرو، محدثین میں سے ابن حبان اور الازدی کے نزدیک ناقابل اعتماد ہے۔ دوسرے راوی محمد بن مروان السدی کو متروک الحدیث اور متہم بالکذب قرار دیا گیا ہے اور ان کے شیخ الاعمش مدلس ہیں، اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک فرشتوں کے ذریعہ سلام پہنچایا جاتا ہے، وہ اُسے خود نہیں مانتے۔

''اور جو کوئی درود بھیجتا ہے مجھ پر میری قبر کے پاس تو میں اُس کو سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے تو مجھے وہ پہنچا دیا جاتا ہے، یعنی فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔''

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ درود دور سے پڑھا جاتا ہے اُس کو آپ نہیں سن سکتے اور جس صورت میں آپ کی توجہ برابر ہے تو نہ سننے کی کیا وجہ ہے؟

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حوض کوثر کا پانی پلائیں گے تو اس وقت چند آدمی حوض پر آئیں گے۔ فرشتے اُن کو دھکے دے کر نکال دیں گے تو آپ اس وقت پکاریں گے کہ یہ میرے اصحاب ہیں، آواز آئے گی کہ تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں جاری کیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بدعتیوں کا حال آپ کو معلوم نہ ہوگا۔ اگر توجہ ہوتی تو ضرور معلوم ہوتا اور آپ حالت حیات میں فرماتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ جب زندگی میں یہ حال تھا تو بعد موت کے بطریق اولیٰ ہوگا اور سماع موتی میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جن امور کا سماع اموات کے لیے حدیث سے ثابت ہے اُس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو ثابت نہیں اُس سے انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ امور اس قسم کے ہیں کہ اُن کی کیفیت شارع کے بیان کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی۔ فقہائے احناف کا یہی طریقہ ہے۔

ابن الہمام فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں:

"اكثر مشايخنا على أن الميت لا تسمع استدلالا بهذه الآية ونحوها ولذا لم يقولوا بتلقين القبر وقالوا: لو حلف لا يكلم فلانا فكلم ميتا لا يحنث."[1]

---

[1] تلقین قبر سے مراد ہے کہ انسان کو دفنانے کے بعد کوئی شیخ قبر کے باہر کھڑا ہو کر مردے کو مخاطب کر کے کہے کہ جب منکر نکیر تم سے یہ سوال کریں کہ تمہارا رب کون ہے تو کہنا میرا رب اللہ ہے.......... الخ اس عمل کی بنیاد ایک انتہائی ضعیف حدیث پر رکھی گئی ہے کہ جسے طبرانی نے بروایت ابوامامہ الباہلی ذکر کیا ہے۔ (احادیث ضعیفه: حدیث نمبر ۵۹۹، جلد دوم للشیخ الألبانی)

اس لیے معتبر اہل علم کا اس پر عمل نہیں رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ میت کا اپنا اعتقاد اور عمل اُسے صحیح جوابات سمجھائے گا نہ کہ باہر سے کسی کی تلقین!! اور وہ بھی مرنے کے بعد جب کہ اس دنیا کی زندگی سے تعلق ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

”ہمارے اکثر مشائخ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مردہ نہیں سنتا اور وہ یہ اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں ”وما انت بمسمع من فی القبور“ اور اس لیے وہ کہتے ہیں کہ مردہ کو قبر میں تلقین کرنا نہیں چاہیے اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا اور پھر اس نے مرنے کے بعد اُس نے مرنے کے بعد اُس سے کلام کیا تو وہ اپنی قسم کو توڑنے والا نہ ہوگا۔“

اور علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

”واما قوله تعالی ”وما انت بمسمع من فی القبور“ فتمثیل لحال الکفرة بحال الموتٰی ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع.“

”اس آیت (کہ تم اُنہیں جو قبروں میں ہیں اُن کو نہیں سنا سکتے) میں کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ مردہ نہیں سنتا۔“

اور امام رازی نہایۃ العقول میں تحریر فرماتے ہیں:

”والجواب عما تمسکوا به ثالثا من قوله تعالی: وما انت بمسمع من فی القبور، هو ان الغرض من سیاق الآیة تشبیه الکفرة بالموتٰی ونحن نعرف بان الذین فی القبور لا یسمعون حتی ما یکونون موتی.“ [1]

”اس آیت میں کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے جب تک کہ وہ مردے رہتے ہیں۔“

اور عینی شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:

---

[1] اس بات کی تائید سورۂ نمل اور سورۂ روم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ﴿إنك لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء﴾ ”تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، گویا جس طرح بہرہ نہیں سن سکتا اس طرح مردے بھی نہیں سن سکتے۔

((قال ابن التين: لا معارضة بين حديث ابن عمر والآية لأنّ الموتىٰ لا يسمعون بلاشك لكن اذا أراد الله سماع ما ليس من شأنه السماع لم يمنع لقوله: إنا عرضنا الأمانة...... لان الموتى لا يسمعون.)) [1]

''ابن التین کہتے ہیں کہ حدیث ابن عمر (کہ قلیب بدر میں دفنائے گئے کفار کو آنحضور ﷺ نے خطاب کیا اور پھر کہا کہ وہ یہ خطاب سن رہے تھے) اور اس آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے اور وہ اس طرح کہ بلاشک مردے نہیں سنتے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو سنانا چاہیں جو نہ سنتی ہو تو ایسا ممکن ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ (آیت سورۂ احزاب) ایسے ہی مردے بھی نہیں سنتے (لیکن اللہ نے سنوادیا)۔''

اور حدیث السلام علیکم یا اھل القبور سے سماع ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ خطاب کے لیے سماع کا ہونا ضروری نہیں۔ بسا اوقات ایسی شے کو خطاب کیا جاتا ہے کہ جس میں سماع کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، جیسے حضرت عمر نے حجر اسود کو خطاب کیا اور فرمایا:

"إني اعلم انك حجر لا تنفع ولا تضر، لولا قبلك رسول

---

[1] قلیب بدر میں دفن کئے گئے کفار کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت یوں ہے: "اطلع النبي على أهل القليب فقال أوجدتم ما وعدكم ربكم حقا؟ فقيل له: أتدعو أمواتا؟ قال ما أنتم بأسمع منهم ولكن لا يجيبون" نبی کریم ﷺ نے گڑھے والے مردہ کفار پر جھانکتے ہوئے کہا کیا تم نے وہ سچا وعدہ پالیا جو تمہارے رب نے تم سے کہا تھا؟ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ مردوں کو خطاب کر رہے ہیں تو آپ نے کہا: تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔" (بخاری)

اور یہ الفاظ سنائے انہیں یہ سنانا بطور معجزہ تھا، جیسا کہ قتادہ (تابعی) سے مروی ہے کہ ان لوگوں کو اللہ نے زندہ کیا۔ احساس پشیمانی دلانے اور ان کی حسرتوں میں اضافہ کرنے کے لیے، یعنی عام قاعدہ یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ اسی لیے آنحضور ﷺ نے صحابہ کے سوال پر یہ نہیں کیا کہ تمہارا یہ اعتراض غلط ہے بلکہ اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اب وہ ایسی حالت میں ہیں کہ یہ الفاظ سن رہے ہیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی باقی روایت میں ہے: "انهم ليستمعون الآن ما اقول" کہ وہ اب سن رہے ہیں جو میں کہہ رہا ہوں۔"

الله ﷺ ما قبلتك . "❶

"میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو، نہ نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان، اگر رسول اللہ ﷺ نے تمہیں نہ چوما ہوتا تو میں بھی تمہیں نہ چومتا۔"

اگر اس مقام کی تحقیق زیادہ تفصیل کے ساتھ کی جائے تو کلام بہت طویل ہو جائے گا، لیکن مصنف کے لیے اسی قدر کفایت کرتا ہے اور اگر مؤلف کے لیے اتنی تحریر سے اطمینان نہ ہوگا تو ان شاء اللہ ہم پوری تفصیل سے بیان کریں گے اور ان کے دلائل کی دھجیاں اڑا دیں گے۔

واضح ہوا کہ علمائے احناف میں سے سوائے ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی کے کوئی اس عمل کا قائل نہیں۔ مؤلف رسالہ نے بھی اُنہی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔ اب میں مؤلف سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اُن کے سارے اقوال معتبر اور مستند ہیں یا بعض؟ اگر کل ہیں تو شیخ محی الدین عربی پر جو کہ اہل بدعت کے مستند ہیں تکفیر کا فتویٰ لگنا چاہیے کیونکہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ "رد وحدة الوجود" میں اُن کو کفر کی جانب منسوب کیا ہے بلکہ بعض مقام پر یہ لکھا ہے کہ "هو انجس من اليهود والنصارىٰ" (وہ تو یہود اور نصاریٰ سے بھی زیادہ نجس ہے) اور تقلید شخصی کو بھی باطل کہنا چاہیے کیونکہ انہوں نے شرح "عین العلم" میں اس کا ابطال فرمایا ہے اور صاف لکھ دیا ہے:

"اعلم ان الله لم يكلف احدا ان يكون مالكيا او شافعيا...... . "❷

"جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس بات کا مکلف قرار نہیں دیا کہ وہ مالکی یا شافعی بنے۔"

---

❶ نسائی ٥: ٢٢٧.

❷ خود ائمہ کرام نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ اگر صحیح حدیث مل جائے تو وہی ہمارا مذہب ہے۔ کسی بھی امام نے اپنی تقلید کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اتباع سنت پر زور دیا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی نسبت کسی ایک امام کی طرف کرتے ہیں وہ اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کی پیروی کریں گے وہ خود اپنے امام کی حکم عدولی کے سزاوار ٹھہریں گے۔

ایسے ہی جلال الدین سیوطی نے کتاب "الرد علی من اخلد فی الارض" میں تقلید معین کو باطل قرار دیا ہے اور اگر اُن کے بعض اقوال معتبر ہیں اور بعض نہیں ہیں تو ترجیح کی کیا وجہ ہے اور ابن حجر عسقلانی کی جانب جو منسوب کیا ہے یہ افتراء ہے۔ غالباً یہ ابن حجر مکی اور عسقلانی میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب کو اس عمل کا قائل ٹھہرایا ہوا ہے، وہ بھی جھوٹ معلوم ہوتا ہے کیونکہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ کے باب ''الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' میں لکھتے ہیں:

"الفرقة الناجية هم الآخذون في العقيدة والعمل جميعاً بما عهد من الكتاب والسنة وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين وإن اختلفوا فيما بينهم فيما لم يشتهر فيه نص ولا ظهر من الصحابة اتفاق عليه استدلالًا منهم ببعض ما هنالك وتفسير المجملة وغير الناجية كل فرقة انتحلت عقيدة خلاف عقيدة السلف او عملاً دون اعمالهم." [1]

''فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو عقیدہ اور عمل دونوں میں اُن چیزوں کو اخذ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہوں اور جس پر جمہور صحابہ اور تابعین کا عمل رہا ہو (اور اس میں وہ باتیں بھی شامل ہیں) جس میں اُن کا اختلاف ہوا اور وہ بھی ایسی چیز میں جس میں کوئی نص واضح نہ تھی اور نہ ہی اس میں صحابہ کا اتفاق رہا اور انہوں نے اس سلسلہ میں وارد (آثار) پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی، باقی

---

[1] فرقہ ناجیہ کی تعریف خود آنحضور ﷺ نے فرمادی: "ما أنا عليه وأصحابی" ''جس راستہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' صحابہؓ میں اگر کسی بات پر اتفاق ہو تو وہ بمنزلہ اجماع ہے اور اُس سے عدول کرنا ناجائز ہے، لیکن اگر اُن میں اختلاف پایا جائے تو پھر اس قول کو لیا جائے جو قرآن اور سنت رسول سے زیادہ ہم آہنگ ہو یا جس پر کثیر صحابہ کا عمل ہو۔ جیسے حضرت ابن مسعود دوران رکوع تطبیق (ہاتھوں کو مٹھی بنا کر گھٹنوں کے درمیان رکھنا) کے قائل تھے لیکن باقی صحابہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے، اس لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے عمل کو نہیں لیا جائے گا یا جیسے حضرت عمر حج میں تمتع حج سے بعض مصالح کی بنا پر روکتے تھے لیکن باقی صحابہ بشمول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اُس کے قائل تھے۔

غیر ناجی وہ فرقے ہیں جنھوں نے عقیدہ سلف کے خلاف کوئی عقیدہ رکھا یا اُن کے عمل کے مخالف کوئی عمل کیا۔"

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو عمل سلف سے منقول نہیں ہے وہ مردود ہے اور فاعل اُس کا جہنمی ہے اور اسی کے قریب تفہیمات میں بھی ایک مقام پر تحریر کیا ہے۔

"والحمد لله حمدا كثيرا على إختتامه وحسن انصرامه، هدى الله المبتدعين بافضاله وانعامه."

مخفی نہ رہے کہ تحریر ھٰذا میں زیادہ تر عمل مولد سے تعرض کیا گیا ہے کیونکہ اہل بدعت اسی میں شور وشغب بہت کرتے ہیں۔ مؤلف انوار ساطعہ نے بھی اس کے اثبات میں بہت کچھ ہاتھ مارے ہیں لیکن وہ سب ھباءً منثورا ہوگئے اور رسوم عرس و چہلم وغیرہ کے متعلق بحث نہیں کی گئی۔ اس کی دو وجہ ہیں: اوّل یہ کہ ہمارا قصہ ہے کہ ابطال رسوم میں مستقل رسالہ تحریر کریں اور اُس کے ضمن میں مؤلف کے خرافات کا بھی ردّ کریں۔

دوم یہ کہ صاف فہم وفراست اپنی دلائل سے جو کہ ابطال مولد میں لکھی گئی ہیں رسوم کا بھی ابطال کرسکتا ہے اور جس قدر تحریفات مؤلف انوار نے عبارات فقہاء وعلماء میں پیش کی ہیں اُن کو ادنیٰ نظر سے ساقط کرسکتا ہے۔

تحریر ۲۰ شعبان ۱۴۱۵ھ

۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء

ناشران کتب

دارالخلد

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،

اردو بازار، لاہور